ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

مُدیرِمسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا
علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۱) جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۴ء شمارہ (۶)

مدیر مسئول
حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی
بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر
محمد صغیر قاسمی
09897855010
sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830
موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:
فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:
دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"
جامعۃ السعادۃ
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر
تحقیقاتِ اسلامی
۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کراکے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورہ نباء	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۴)
درس حدیث:		
دور حاضر اور علامات قیامت:	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۱۰)
مقالات ومضامین:		
حسنِ اخلاق وحسن کردار	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۳)
گناہوں کی اقسام اور توبہ کے...	مولانا محمد عبدالحلیم چشتی	(۱۵)
گجرات کی ایک انوکھی ومنفرد درسگاہ	مفتی محمد ریحان گودھروی	(۲۲)
جدید میڈیکل سائنس کی بنیاد...	مولانا حکیم عبیداللہ عبید	(۲۹)
شکیلیوں کے سوالات (قسط:۲)	مفتی محمد اکمل یزدانی	(۳۴)
کارٹون اور ویڈیو گیم...	جناب فیروز عبداللہ میمن	(۴۱)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۵)
طب وصحت		
انجیر کے فوائد	ادارہ	(۴۷)

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

بالآخر شام کا فرعون، رافضی النسل، ظالم وقاہر بشارالاسد اپنے آخری انجام کو پہنچا، اور وہاں کی عوام کے لئے تقریباً نصف صدی بعد، آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ اس ظالم وجابر نے ظلم وتشدد کی کون سے ایسی صورتیں ہے، جو وہاں کے سنی مسلمانوں پر (جن کی آبادی تقریباً اسی فیصد ہے) نہیں آزمائے اور غلام بنانے کے کون سے ہتھکنڈے ہیں جوان مظلوموں پر استعمال نہیں کئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس فرعون نے اور اس کے ظالم رافضی باپ نے شامی مسلمانوں پر جو جبر، تشدد اور قہر ڈھایا ہے، اُس نے فرعون ونمرود کے مظالم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ظلم کی ایسی قیامت خیز داستان رقم کی ہے جو ہر زندہ دل انسان کے لیے وحشت انگیز اور رنج والم سے بھری ہوئی ہے۔ میڈیا کے ذریعہ ان ظالموں کے ظلم وبربریت کی اب جو خبریں آرہی ہیں، وہ روح کو تڑپا دینے والی اور ہوش اڑا دینے والی ہیں۔

افسوس اس ظلم وبربریت میں ایران برابر کا شریک رہا ہے، جو بظاہر مسلمانوں کا ہمدرد بنتا ہے اور شیعہ سنی اتحاد کا الاؤ الاپتے نہیں تھکتا ہے۔ شیعوں کی تاریخ رہی ہے کہ جب بھی انھیں کہیں اقتدار ملا، انھوں نے سنیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ آج بھی ایران کے اندر سنی مسلمان غلامی سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ انھیں نہ کوئی حق حاصل ہے اور نہ کوئی تحفظ۔ اسی طرح روس بھی ان مظالم میں برابر کا شریک ہے، جس کی پشت پناہی اور تعاون ہی سے اس ظالم کی حکومت قائم تھی، ورنہ وہاں کی عوام پر کیمیائی اسلحے استعمال کرنے کے بعد اس کی حکومت کے قائم رہنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا۔

عالمی طاقتوں نے جس طرح ان ظالم باپ بیٹوں کے مظالم پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی، اسے ایک منافقانہ کردار، عالمی اداروں کی ناکامی، اور مسلم ممالک کی بے حسی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا، اور ظالم اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اس میں ان طاقتوں، حکمرانوں اور ظالموں کے لئے بڑا سبق ہے جو اپنی عوام، اپنے ماتحت افراد اور اپنے مخالفین پر ظلم وتشدد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اسی طرح اقتدار پر قابض رہیں گے۔

یاد رہے فرعون جیسا ظالم بھی دنیا میں نہ رہا، جو اپنے آپ کو دنیا کا خدا کہتا تھا، پھر کس کی کیا حیثیت ہے۔ اس دنیا کا اصل بادشاہ ومالک وہی ہے، جس نے اسے بنایا ہے۔ آج آپ کو کسی ایک علاقے کی حکومت دی ہے، کل چھین کر کسی اور کو دے دیگا۔ اور آپ کو موت دے کر، ظلم وبربریت کا پورا حساب کتاب لے کر مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے گا۔

درس قرآن کریم

سورۃ النباء

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا
لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا
يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ
قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ
يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ .

تشریح وتفسیر

اب یہاں سے فرماں برداروں، خدا کے عذاب سے ڈرنے والوں اور اللہ رب العزت کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والوں کے احوال کو بیان کیا جا رہا ہے کہ آخرت میں انھیں رب کائنات ذوالجلال والاکرام کی طرف سے کن کن عظیم نعمتوں سے نوازا جائے گا اور ان کے عیش وآرام کے لئے کیا کیا سامان فراہم کئے جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

''اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾'' (جن لوگوں نے تقوی اختیار کیا تھا، ان کی بیشک بڑی جیت ہے) کہ آخرت میں انھیں حیات جاودانی، رضائے الٰہی اور خوش نصیبی ہوگی، جب وہ دیکھیں گے کہ ہر مراد ان کی پوری ہو رہی ہے اور ہر طرح کی نعمت ان کو میسر ہے۔

''حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾'' (باغات اور انگور) یعنی میووں سے بھرے ہوئے باغ ہوں گے، ان کی حفاظت کے لئے چاروں طرف دیوار بندی ہوگی۔

لغت میں ''حدیقہ'' اسی باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد دیوار ہو ''وَ اَعْنَاباً'' اور بہت سے انگور ٹٹیوں پر سے لٹک رہے ہوں گے، یہ باغ دوزخیوں پر (جنت سے) دوسری دیوار کی مانند ہوگا۔ اور ٹٹیاں جن پر انگور کی بیلیں پھیلی ہوتی ہیں وہ مکان کی چھت کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کے سائے میں بیٹھا جاتا ہے۔ ان کو خاص طور پر یہاں اس لئے ذکر کیا کہ وہ گویا درخت ہیں کہ مقصود ان سے میوہ کھانا ہے۔ ورنہ انگور بھی ایک پھل ہے، جس کا ذکر حدائق کے ضمن میں ہو چکا ہے (تو علاحدہ سے ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے جو مذکور ہوئی) تو وہاں سائبان، بارہ دری یا بنگلوں کے ہونے کی

بجائے انگور کی ٹٹیوں کے ہوں گے۔ (تفسیر عزیزی)

''وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾'' (اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں) یعنی ان متقیوں کے لئے جنت میں نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ جن کی چھاتیاں ابھری ہوئی اور سخت ہوں گی۔ یہ اس لئے کہ باغ و بہار کی سیر کا لطف ومزہ جبھی ہے، جب کہ خوبصورت پری پیکر محبوبائیں بھی ساتھ ہوں۔ (ایضاً)

یہ عورتیں جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے دنیا کی عورتیں ہوں گی یا حوران جنت ہوں گی؟ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ عورتیں دنیا کی ہوں گی (یعنی دنیا کی بیویاں جو جنتی ہوں گی) ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے متقیوں کو ان کی رفاقت سے بہت محبت وخوشی ہوگی اور ہم عمر ہونے کی وجہ سے زیادہ الفت ومحبت ہوگی۔ (تفسیر عزیزی)

جب کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حوران جنت میں سے ہوں گی، جو خاص طور پر اہل جنت کے لئے پیدا کی گئی ہیں یا پیدا کی جائیں گی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی، جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی، جیسے کہ ''سورۂ واقعہ'' کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گزر چکا۔ اس حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی اللہ کی رضامندی کے ہوں گے، بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر وہ جو فرمائیں گے، بادل ان پر برسائیں گے، یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی۔ (ابن ابی حاتم)

اکثر تفسیروں میں لکھا ہے کہ جنت میں مردوں، عورتوں کی عمریں تینتیس (۳۳) سال کی ہوں گی۔ یہ عمر چونکہ جسمانی قوتوں کے کمال کی ہے اور اس عمر میں خوشی ومسرت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے اہل جنت کو یہی عمر عطا ہوگی، ورنہ تو پیدائش تو سب کی صور ثانی کے وقت ہو جائے گی اور اس وقت سے لیکر جنت میں داخل ہونے تک کے درمیان کی مدت بہت طویل ہے۔ ''تفسیر زاہدی'' اور ''تفسیر ماجدی'' کی بعض روایات میں ہے کہ جنت کی عورتیں اٹھارہ (۱۸) برس کی عمر کی ہوں گی اور مرد تینتیس (۳۳) برس کی عمر کے ہوں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی صورت اور جسمانی بناوٹ دنیا کی عورتوں کی طرح ہوگی اور دنیا میں عورتوں کی خوبصورتی کے کمال کی یہی عمر ہے، اس کے بعد حسن میں زوال شروع ہو جاتا ہے، چھاتیاں، ولادت اور دودھ پلانے کی وجہ سے ڈھلک جاتی ہے، نسوانی مزاج تر ہے، لیکن اب خشکی پیدا ہو کر حدّ اعتدال میں آ جاتا ہے اور بدن کا سڈول پن، طبیعت میں بھولا پن، غفلت اور ناسمجھی جو محبوبوں اور معشوقوں میں مرغوب وپسندیدہ ہے، اسی عمر میں ہوتا ہے اس کے بعد پختگی آتی جاتی ہے۔ (تو گویا ان صفات کے اعتبار سے وہ اٹھارہ سال کی لڑکی ہوں گی اور عمدہ صفات کے اعتبار سے گویا وہ ۳۳ سال کی ہوں گی) اس کے برخلاف مردوں میں عقل کے اعتبار سے کامل ہونا اور ہر کام میں آزمودہ کار ہونا پسندیدہ ہے، گویا مرد اس میوے کی مانند ہے جس کا پکا ہونا زیادہ بہتر ہوتا ہے اور عورتیں اس پھل کے مانند ہیں جو کچا ہو تو زیادہ لذیذ ہوتا ہے، جیسے کھیرا اور ککڑی وغیرہ۔ (تفسیر عزیزی)

"وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾" (اور چھلکتے ہوئے پیالے) یعنی شراب کے جام چھلکتے ہوئے پے در پے دیئے جائیں گے "دھاق" کے لفظ میں لغت عرب کے استعمال کے مطابق دونوں معنی پائیں جاتے ہیں یعنی "بھرا ہونا اور پے در پے دینا"۔

پرہیزگاروں کو شراب خوشی وانبساط میں اضافے کے لئے پلائی جائے گی، وہ شراب پینے سے ان کے اندر ایسا نشاط پیدا پیدا گا کہ بے حجاب و بے باک ہو کر عورتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور سیر گلشن کے مزے لوٹیں گے، ان کا وقار لطف اندوزیوں کے لئے مانع نہ ہوگا۔ (تفسیر عزیزی) (واضح رہے کہ وہاں کی شراب محبت الٰہی کی صورت مثالی ہے، دنیا کی شراب والی کوئی برائی یعنی نشہ وغیرہ اس میں نہ ہوگی)

"لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾" (وہاں پر وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی جھوٹی بات) اس شراب کے پینے میں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ جب اس شراب کے پینے سے بیہودہ بات بھی سرزد نہ ہوگی تو لڑائی اور گالی گلوچ کا پھر کیا ذکر ہے۔

دنیا میں ان کی محفل جس طرح نکمی باتوں سے پاک تھی کہ جھوٹ، تمسخر اور عیب گیری کا ان کی محفل میں گذر نہ تھا، اسی طرح جنت میں ہوگی اور یہ جو نعمتیں اور لذتیں ان کو حاصل ہوں گی اس وجہ سے نہیں کہ یہ کوئی اس عالم کی آب وہوا کا تقاضہ ہے کہ جیسا دنیا میں علاقوں اور ملکوں کے اختلاف سے سردی، گرمی اور قحط وارزانی ہوا کرتی ہے، بلکہ یہ چیزیں ان کو اس لئے ملیں گی کہ ان کے رب کا بدلہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾" (یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہوگا۔ [اللہ کی] ایسی دین ہوگی جو لوگوں کے اعمال کے حساب سے دی جائے گی) یعنی تیرے رب کی طرف سے بدلہ ہے اور رب کامل ذات ہے، لہٰذا کامل کا بدلہ بھی کامل اور پورا ہوگا۔

اگر کسی کے دل پر یہ خیال گذرے کہ بدلے (جزاء) میں دو باتوں کا لحاظ ہوتا ہے، ایک دینے والے کا مرتبہ، دوسرے جس کام کے عوض بدلہ دیا جارہا ہے اس کی اپنی قدر، اور یہاں پر دینے والا اگرچہ نہایت ہی اعلیٰ مرتبے کا ہے، لیکن ان کے کام تو سب مل کر بھی اتنا کمال نہیں رکھتے جتنا کامل ان کو بدلہ دیا جارہا ہے۔

اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ نعمتیں اور لذتیں جو اہل جنت کو عطا ہوں گی حقیقت میں "جزا" نہیں ہے، بلکہ یہ تو انعام اور بخشش ہے چنانچہ فرمایا "عطاءً" بخشش اور انعام ہیں اور یہ انعامات محض ابتدا نہیں ہیں بلکہ ان کے اعمال کے موافق ہیں (یعنی اعمال کی وجہ سے ہیں، ہاں) اعمال کے (سو فیصد برابر) اندازے پر نہیں ہیں (بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں) چنانچہ فرمایا "حِسَابًا" ان کے اعمال کے موافق۔

جیسے کوئی بادشاہ اپنے نوکروں کو انعام دینا چاہے تو وہ یوں کہے کہ جو فلاں خدمت پر مامور ہے اسے اتنا دو، جو فلاں قلعے پر متعین ہے اسے اتنا دیدو، تو یہاں انعام کی تقسیم میں کام اور انعام دینے والے کی قدر کا لحاظ نہیں ہوتا، یہاں

کاموں کا ذکر تو محض علامت کے طور پر ہے۔ لیکن انعام کو جب (اللہ تعالیٰ نے) اعمال پر مقرر فرمایا تو اس کو جزا کے ساتھ مشابہت ہوگئی، اسی وجہ سے اس انعام و بخشش کو جزاء سے تعبیر فرمایا ہے۔ نیز یہ جزاء دینے والی ذات بھی ایسی ہے جس کی صفت آگے یوں بیان کی گئی ہے:

"رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۟" (اسی پروردگار کی طرف سے جو سارے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا مالک، بہت مہربان ہے! کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے سامنے بول سکے۔) یعنی آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان پر انعام و بخشش ابتدائی ہے، نہ ان کو مکلف بنایا، نہ پہلے سے انعام کا کوئی وعدہ کیا اور نہ ہی ان کے اندر کچھ استحقاق ہے، اس کے باوجود ان پر اعلیٰ درجے کا انعام و احسان کیا ہے، تو جو لوگ تھوڑی سی بھی لیاقت رکھتے ہیں، ان سے وعدہ بھی ہوا ہے اور وہ مکلف بھی ہیں، ان پر انعام و بخشش کیسے مکمل نہ کرے گا۔ اسی واسطے اس کا نام ہے "الرَّحْمٰنِ" (بڑی رحمت والا)۔ "الرَّحْمٰنِ" وہ ہے جو بغیر وعدہ کئے ہزاروں احسان کرتا ہے، تو جس سے وعدہ کیا ہو اس سے کیسے پورا نہ کرے گا۔

لیکن باوجود اس کے کہ اس کی رحمت ایسی ہے کہ اپنے فرمانبردار بندوں پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے، اس کی عظمت و جلال بھی نہایت اعلیٰ مرتبہ پر ہے کہ باوجود اس قدر نزدیکی، توجہ، عنایت اور مرتبہ کے "اس سے بات کرنے کی قدرت نہ رکھیں گے" یعنی بغیر وسیلے کے نہ اپنے مقدمے میں بات کر سکیں گے اور نہ کسی سفارش کے سلسلے میں بات کر سکیں گے، خواہ وہ قریب ہو یا اپنا آشنا ہو اور اگرچہ یہ عظمت و جلال اسکی ذات کو لازم ہے، لیکن اس کا کامل ظہور اس دن ہوگا:

"يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۟" (جس دن ساری روحیں اور فرشتے قطاریں بنا کر کھڑے ہوں گے)

روح نام ہے ایک بیدار اور بہت زیادہ درک رکھنے والے لطیفہ کا، جو ہر مخلوق کے اندر ہے، آسمان، زمین، درخت، ہوا اور پتھر سب کے اندر ہے۔ اسی کو دوسری جگہ "ملکوت کل شئی" سے تعبیر فرمایا ہے، اور اسی لطیفہ درّاکہ کے سبب ہر مخلوق کو اپنے پروردگار کی تسبیح و عبادت میسر ہے "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" اور فرمایا "كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ"۔

حقیقت میں یہ وہ لطیفۂ درّاکہ ایک جوہر نورانی ہے، جو اہر و اعراض سے تعلق رکھتا ہے، اسی جوہر روحانی (نورانی) کے سبب قرآن کی سورتیں، نیک اعمال اور کعبۂ معظّمہ، برزخ و قیامت میں سفارش کریں گے اور گواہی دیں گے۔ آسمان زمین، دن اور رات سب گواہ ہوں گے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مؤذن کے لئے جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے ہر پتھر، ڈھیلا، درخت اور لکڑی قیامت کے دن گواہ ہوں گے۔ تو اس دن یہ جواہر نورانی اپنی مناسب شکلیں اختیار کر کے میدان حشر میں کھڑے ہو کر گواہی دینے اور شفاعت کرنے میں مشغول ہوں گے۔

(واضح رہے کہ) انسانوں اور جانداروں کی روحوں کے تعلق میں اور دوسری مخلوقات کی روحوں کے تعلق میں فرق یہ ہے کہ پہلا تعلق دائمی اور حلول سریانی سے مشابہت رکھتا ہے، جس نے سب قوائے طبیعیہ، نباتیہ اور حیوانیہ کے اندر حلول کر کے ان کو اپنے حکم کے تابع کیا ہے اور دوسرا تعلق دائمی نہیں ہے اور حلول طریانی کے مشابہ ہے۔ اس واسطے دنیا میں بھی بعض اوقات اس تعلق کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض پتھر، درخت وغیرہ نبیوں سے کلام کرتے، ان کے حکم پر عمل کرتے اور سلام کرتے ہیں اور قیامت کے نزدیک یہ تعلق بھی دائمی اور سریانی کے قریب ہو جائے گا۔

چنانچہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب عجائبات کثرت سے ظاہر ہوں گے، اس کا یہی سبب ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ اس تعلق کے اثر کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب روحانی آثار و احکام غالب ہوں اور قیامت کے قریب روحانی آثار و احکام کا غلبہ ہوگا، نیز انبیاء و اولیاء کی ہمت سے بھی کبھی ان کے سامنے روحانی آثار و احکام غالب ہو جاتے ہیں۔ مفسرین نے روح کی تفسیر میں بہت سے باتیں لکھیں ہیں لیکن حق وہی ہے جو یہاں مذکور ہوا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

"لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝٣٨" (جس دن ساری روحیں اور فرشتے قطاریں بنا کر کھڑے ہوں گے، اس دن سوائے اس کے کوئی نہیں بول سکے گا۔ جسے خدائے رحمن نے اجازت دی ہو، اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔) اس دن ساتوں آسمان اور زمین کے فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے، تاکہ اس دن کے کاموں کو انجام دیں، جیسے جزاء و سزاء دینا، اعمال کا تولنا، نامۂ اعمال دکھانا اور پل صراط سے گذرنے وغیرہ کاموں کے لئے تیار و مستعد رہیں گے اور اگرچہ یہ وقت شفاعت و شہادت کا ہوگا لیکن اس وقت بات نہیں کریں گے، بلکہ دم نہ مار سکیں گے۔

ہاں مگر جس کو اللہ تعالیٰ خود اجازت مرحمت فرمائیں گے اور حکم ہوگا کہ فلاں شخص کی شفاعت کرو، یا گواہی دو، تو صرف وہ بول سکے گا اور اس شخص کے حق میں یہ حکم رحمت کے تقاضے سے ہوگا اور وہ شخص سچی بات کہے گا، خلاف قاعدہ و ضابطہ بات نہیں کرے گا، مثلاً کافر اور بدعقیدہ لوگوں کے حق میں شفاعت نہیں کرے گا، بلکہ جو شخص ایمان کے سبب بخشش کے لائق ہوگا، اس کے گناہ کی بخشش طلب کرے گا، اسی طرح شہادت دینے میں احتیاط کرے گا، کمی زیادتی نہیں کرے گا، اس لئے کہ آگے فرمایا:

"ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ" (وہ دن ہے جو برحق ہے) یعنی اس دن جھوٹ یا نکمی بات پیش نہیں کی جا سکے گی اور نہ ہی اس میں کامیابی ہو سکے گی، بخلاف دنیا کے دنوں کے کہ یہاں جھوٹ سچ، اچھائی برائی سب ملی ہوئی ہے کچھ فرق نہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ معنی ہو کہ نیک لوگوں اور بروں کے درمیان، کافروں اور مسلمانوں کے درمیان، فرق و امتیاز کرنے کا حق اسی دن کو ہے، وہ دن اسی کام کے قابل ہے، دنیا کے دنوں کی طرح نہیں کہ یہاں دغا فریب، اچھے برے کی برابری سب کچھ جاری ہے۔

"فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۝٣٩" (اب جو چاہے وہ اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔) یعنی اب

جو چاہے اپنے رب کے یہاں عزت ووقار کا ٹھکانا بنالے، تاکہ اس دن وہ اپنے ہم چشموں اور برابری والوں میں عزت وامتیاز سے سرفراز ہوسکے اور ان مختلف قسم کے عذابوں سے نجات حاصل کر سکے جو اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے والوں اور اس سے غافل لوگوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ اور اللہ تعالی کے پاس ٹھکانے بنانے یعنی رجوع الی اللہ کا فائدہ صرف یہی نہیں کہ اس سے آخرت کے عذاب سے خلاصی نصیب ہوگی، بلکہ رجوع الی اللہ سے ایک قریبی عذاب سے بھی نجات نصیب ہوگی۔ (ایضاً)

"اِنَّآ اَنْذَرْنٰکُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا" (حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ایک ایسے عذاب سے خبردار کردیا ہے جو قریب آنے والا ہے) عذاب قریب سے مراد یا عذاب آخرت ہے کیوں کہ جو آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے، یا عذاب قبر مراد ہے اور موت جو تاکے تسمیہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

"یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ" (جس دن ہر شخص وہ اعمال آنکھوں سے دیکھ لے گا، جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج دکھے ہیں) ظاہر ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے، اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، خواہ اس طرح کہ نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں آجائے گا، اس کو دیکھے گا، یا اس طرح کہ اعمال محشر میں مجسم اور متشکل ہوکر سامنے آجائیں گے، جیسا کہ بعض روایات حدیث سے ثابت ہے اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس روز سے مراد موت کا دن ہو اور اپنے اعمال کا دیکھنا قبر و برزخ میں مراد ہو، کما فی المظہری۔ (معارف)

"وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا" (اور کافر یہ کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہوجاتا) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہوجائے گی، جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کردیئے جائیں گے اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھا تو اس سے اس کا انتقام دلوایا جائے گا۔

یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اس کا بھی بدلہ دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہوجاؤ، وہ سب مٹی ہوجائیں گے، اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہوجاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے۔ **نعوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔** (معارف)

درس حدیث

دور حاضر اور علامات قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

اِباحیت کا فتنہ:

عَنْ أَبِیْ مَالِکٍ الأَشْعَرِی، سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: لَیَکُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّونَ الحر وَالحَرِیرَ، وَالخَمْرَ وَالمَعَازِفَ۔ (بخاری، کتاب الأشربة، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر: 5590)

حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں چند قومیں (ایسی پیدا) ہوں گی جو زنا کو اور ریشم پہننے کو اور شراب پینے کو اور باجوں کو حلال سمجھیں گی۔

عَنْ أَبِیْ مَالِکٍ الأَشْعَرِی قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ، یُسَمُّونَهَا بِغَیْرِ اسْمِهَا، یُعْزَفُ عَلَی رُءُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ، وَالْمُغَنِّیَاتِ، یَخْسِفُ اللہُ بِهِمُ الْأَرْضَ، وَیَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیرَ۔ (ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات: 4020)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھ دیں گے، ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی، اللہ تعالی انہیں زمین میں دھنسا دیں گے اور ان کی صورتیں مسخ کرکے بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔

مذکورہ بالا احادیث میں بتایا گیا ہے کہ اس امت پر ایک دور ایسا آئے گا کہ بہت سی وہ چیزیں جو شریعت میں حرام اور ممنوع ہیں، ان کی حرمت میں تاویلیں کرکے بہت سے لوگ انھیں حلال کرلیں گے، یا ایسی بے فکری و لاپرواہی کے ساتھ انھیں استعمال کریں گے گویا حرام نہیں، حلال ہیں۔ حدیث شریف میں اس کی چند مثالیں پیش کی گئیں ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز زنا ہے۔

جس کی حرمت قطعی ہے اور قرآن کریم سے ثابت ہے، اس کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے، کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ، یعنی ایسے کاموں سے بھی بچو جو زنا کی طرف مائل کردیں۔ دور حاضر میں ایسے بے ہودہ، عیاش اور دین بیزار لوگ نظر آنے لگے ہیں جو کہتے ہیں کہ زنا اسے کہتے ہیں، جو بالجبر ہو، یعنی جس میں دوسرے فریق کی رضامندی نہ ہو، اور جب دو عاقل و بالغ لڑکا اور لڑکی آپس میں بخوشی اس کام پر راضی ہوں، تو اُن کے باہم ملنے میں کیا برائی ہوسکتی ہے، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بیچنے والے اور خریدنے والے بخوشی کوئی معاملہ کریں۔ اِسی طرح اگر رضامندی سے زنا ہو تو حرام نہیں ہے۔

یہ نظریہ درحقیت کفار ومشرکین اور نصاری کا ہے، جن کے یہاں اگر دونوں راضی ہوں تو زنا نہیں ہوتا ہے، بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا کلچر یہیں سے چلا ہے۔ افسوس کہ بعض دہریئے قسم کے نام نہاد مسلمانوں نے مسلم معاشرے میں بھی اس نظریہ کو فروغ دینے کی کوشش شروع کردی ہے، اور اس طرح منصوص حرام کو جائز اور حلال کرنا چاہتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یاد رہے اس بیوی کے علاوہ جو شرعی طور پر آپ کے نکاح میں ہے، کسی بھی عورت سے جسمانی تعلق زنا ہے، جو حرام ہے، چاہے رضامندی سے ہو، چاہے بغیر رضامندی کے۔

علاوہ ازیں زنا کی ایسی بہت سی شکلیں آج معاشرے میں رائج ہو رہی ہیں جن کو زنا ہونے کے باوجود بھی زنا نہیں کہا جاتا ہے، مثلاً طلاق دینے کے بعد بھی اکٹھے رہنا اور ''ایک مجلس کی تین طلاقوں'' کو ایک ہی سمجھ کر ساری زندگی اس حرام کاری میں مبتلاء رہنا، گرل فرینڈ کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرنا، یہ سب ایسی شکلیں ہیں جن کی آڑ میں زنا و بدکاری معاشرے میں رائج ہوتی جا رہی ہے اور معاشرہ خاموشی کے ساتھ قبول کر رہا ہے۔ أعاذنا اللہ منه۔

دوسری چیز جس کا ذکر حدیث شریف میں ہے، وہ ہے ریشم، کہ امت پر ایک دور ایسا آئے گا کہ لوگ ریشم کو حلال سمجھنے لگیں گے۔ واضح رہے شریعت اسلامیہ نے زندگی کے ہر معاملے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کی، اور ہر چیز کی بابت ضابطہ مقرر کیا ہے، اسی ضابطے میں اسلام نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ لباس اور شکل وصورت کے بناؤ سنگھار میں کفار ومشرکین کی نقالی اور ان کے طور طریقوں سے بچا جائے۔ نیز مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ عورتوں کی نقالی سے اور ان کی طرح لباس وغیرہ استعمال کرنے سے بچیں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مردوں کی طرح شکل وصورت بنانے اور ان کی طرح لباس وغیرہ پہننے سے بچیں۔

افسوس مسلم معاشرہ دن بدن ان ہدایات کو فراموش کرتا جا رہا ہے، بغیر شریعت کے ضابطوں کی پاسداری کے لباس استعمال کر رہا ہے اور غیروں کے طریقوں کو اختیار کر رہا ہے، جو کپڑا اور ڈیزائن پسند آجاتا ہے، وہ اسے پہن لیتا ہے، اس کا خیال کئے بغیر کہ یہ لباس ہماری شریعت میں جائز بھی ہے یا نہیں۔ اسلام نے مردوں پر ریشم کا کپڑا پہننے کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے موجود معاشرے کو یہ معلوم تک نہیں ہے کہ ریشم کا کپڑا مردوں پر حرام ہے اور بلا تکلف لوگ استعمال کرتے ہیں، گویا کہ اس حرام کو بھی حلال سمجھ لیا گیا ہے۔

تیسری چیز ہے شراب، جس کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دور آئے گا کہ لوگ اس کا نام ''شراب'' کی بجائے کچھ اور رکھ لیں گے اور پھر استعمال کریں گے، کوئی کہے گا کہ شراب کیوں پیتے ہو تو جواب دیں گے یہ شراب نہیں ہے، بلکہ یہ تو فلاں ڈرنک ہے۔ یعنی کوئی ایسا ڈرنک بنائیں گے، جو نشہ تو شراب جیسا ہی پیدا کرے گا، لیکن نام ''شراب'' نہیں ہوگا، بلکہ کچھ اور نام ہوگا، اور اسے حلال سمجھا جائے گا، جب کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور وہ شراب ہی کے حکم میں ہے، خواہ انگور سے بنائی گئی ہو یا کسی اور چیز سے۔ آج اباحیت پسند اور ہر چیز کو اپنی مرضی کے

مطابق کرنے کی خواہش رکھنے والا ایک طبقہ ایسا ہے جو شراب کو کسی نہ کسی شکل میں استعمال کرتا ہے، اور یہ نظریہ رکھتا ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ گندے ہوا کرتے تھے اور شراب کو گندے طریقے سے بناتے تھے، اب تو حفظانِ صحت کے اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے صاف ستھری شراب بنائی جاتی ہے، اس لئے اسے حلال ہونی چاہئے۔ استغفر اللہ۔ یاد رہے کسی حرام کا کو کرنا تو فسق اور گناہ کبیرہ ہے، لیکن اسے حلال سمجھنا کفر ہے۔

چوتھی چیز جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فریا ہے کہ میری امت اس حرام کو بھی حلال سمجھنے لگے گی وہ ہے باجہ، آلات لھولعب، گانا، ڈانس اور گانے والی عورتیں وغیرہ۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: ''ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی''۔ افسوس کہ آج ایک بہت بڑا طبقہ ''روح کی غذا'' کہہ کر موسیقی، میوزک، گانا بجانا شوق سے سن رہا ہے، اور فنون لطیفہ وآزادی نسواں کے نام سے، ناچ اور ڈانس کو بھی نام نہاد مسلمان بے حیا عورتیں اختیار کررہی ہیں اور لوگ ہیں کہ پسند کررہے ہیں۔ ٹی وی، موبائل اور انٹرنیٹ پر کس کے ناچ گانے آرہے ہیں؟ کسی پر مخفی نہیں۔ پھر'' ٹک ٹاک'' نے تو تمام حدوں ہی کو پار کردیا ہے۔ اب تو شادی بیاہ کے مواقع پر غیروں کی دیکھا دیکھی بہت سے مسلم خاندانوں میں بھی ڈانس وناچ کی محفلیں جمتی ہیں، جس میں خاندان اور اعزاوقرباء کی عورتیں مردوں کے ساتھ ناچتی اور گاتی ہیں۔ **العیاذ باللہ۔**

ستم بالائے ستم یہ کہ موسیقی اور میوزک جیسی ممنوع چیزوں کو نعتوں، اِسلامی نظموں اور دینی پروگراموں کا حصہ بنا کر دین بہت سے جاہل شریعت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ کتنے جاہل نعت خوانوں کو آپ سنیں گے کہ وہ میوزک کے ساتھ نعت پڑھتے ہیں، خود بھی گناہ گار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گناہ گار کرتے ہیں، مساجد جیسے مقدّس ماحول میں بھی سیل فونز کی ٹونز جو سراسر گانے اور میوزک پر مشتمل ہوتی ہیں، بکثرت نماز کے دوران بجتی ہیں اور پھر بجتی ہی چلی جاتی ہیں۔ **الامان و الحفیظ**

یہ وہ امور ہیں جن کا ذکر مذکورہ حدیث پاک میں موجود ہے، لیکن اگر آپ معاشرے کا جائزہ لیں اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ مسلم ممالک کے معاشرے پر بھی نظر ڈالیں، تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ آج مسلم معاشرے نے نہ جانے کتنی حرام چیزوں کو عملی طور پر حلال سمجھ رکھا ہے اور ان امور کو بلا تکلف انجام دیتے ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج پردہ کو دقیانوسیت تصور کیا جاتا ہے، اقتصادی ترقی کے نام پر کھلے عام سود لیا اور دیا جارہا ہے۔ فوٹو، تصویر سازی اور ویڈیوگرافی کی قباحت دلوں سے نکل چکی ہے۔ بس اللہ ہی حفاظت فرمائے۔ اللہ کا احسان ہے کہ حدیث پاک میں ان گناہوں کے بدلے، جن عذابوں کا تذکرہ ہے یعنی زمین میں دھنسا دینے، صورتوں کے مسخ کر دینے اور سور و بندر بنا دینے کا، عمومی طور پر ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔ اگرچہ زلزلوں، سیلابوں، طوفانوں، وباؤں اور حکام کی طرف سے ہونے والے مظالم کی شکل میں، آئے دن ہم عذابوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

مضامین ومقالات

حسنِ اخلاق وحسن کردار

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

حسنِ اخلاق وحسن کردار، سرمایۂ زندگی اورکمال انسانیت ہے، یہ وہ قابلِ قدر جوہر ہے جوانسانی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کرتا ہےاوراس کے لئے لوگوں کے دلوں میں تخم محبت کی آبیاری کرتا ہے، یہی وہ محمود صفت ہے جس کے ذریعہ آپ عداوت کومحبت سے، اورعدم تعلق کودوستی سے بدل سکتے ہیں۔حسنِ اخلاق صرف اس چیز کا نام نہیں ہے کہ کسی انسان سے خندہ پیشانی سے پیش آیاجائے یامسکرا کربات کی جائے، بلکہ یہ اپنے اندروسیع مفہوم رکھتا ہے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، ماں باپ کی فرمانبرداری، نرم گفتگو، حلم وبردباری، عفوودرگزر، بڑوں کاادب، چھوٹوں پرشفقت، پڑوسیوں کا لحاظ، دیانت وامانت، عہدکی پاسداری، مصائب پرصبر، نعمتوں کاشکر، حقوق اللہ اورحقوق العبادکی ادائیگی، بھائی چارہ، ایک دوسرے کی جان، مال، عزت وآبروکاتحفظ، باہمی ہمدردی وغمخواری، ایثارکاجذبہ، یہ سب حسنِ اخلاق کے زمرے میں آتا ہے۔اورقرآن وحدیث نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں ارشادفرماتے ہیں:
''وَإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (القلم:۴) ترجمہ:''اور بیشک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اخلاقِ (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادمبارک ہے:''بعثت لأتمّم مکارم الأ خلاق''۔یعنی''مجھےاس کام کے لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔''

اعلی اخلاق میں یہ بھی شامل ہے کہ جولوگ آپ سے الجھیں، لڑائی جھگڑا کریں، بدتمیزی کریں، آپ ان سے درگذرکریں، اور اگروہ معافی چاہیں تومعاف کردیں۔جیساکہ ارشادباری ہے:''خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ''(الاعراف:۱۹۹)
''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ معافی کواختیارکیجیے، بھلی باتوں کاحکم کیجیےاورجاہلوں سے منہ پھیرلیجیے!''

یہی نہیں کہ درگذرکرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوحکم دیا گیا، بلکہ اسے ایک پسندہ عمل اورباعث اجربھی قراردیاگیا ہے، چنانچہ ارشادپاک ہے:''فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ''(المائدۃ:۱۳):''توآپ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کومعاف کیجیےاوردرگزرسے کام لیجیے۔بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کوپسندکرتا ہے۔''

یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے، جسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن کی ہم امت ہیں، جن کے ہم نام لیوا ہیں، اورجن کی لائی ہوئی شریعت پرعمل پیراہونے کے ہم مدعی ہیں) نے اختیارفرماکرجانی دشمنوں کودوست اوردوستوں کوجاں نثاربنایااور چندسالوں ہی میں پورے جزیرے عرب پراللہ تعالی کے قانون اوردین کوپہنچادیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ اخلاق کے چند واقعات پیش ہیں:

۱-حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے پورے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا اور میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ محاسنِ اخلاق کے حامل تھے۔'' (بخاری و مسلم)

۲-حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ: ''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے، تو ہم اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا اور بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدگو نہ تھے اور نہ آپ بدزبان تھے اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔'' (بخاری، کتاب الادب)

۳-عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان کے مہینے میں تو سب دنوں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ جب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بھائی انسؓ سے کہا کہ وادی مکہ کی طرف جاؤ اور اس شخص کی باتیں سن کر آؤ۔ جب وہ واپس آئے تو ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ وہ صاحب تو اچھے اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ (بخاری، باب حسن الخلق)

۴-حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ: ''ہم عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ ہم سے باتیں کر رہے تھے، اسی دوران انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بدگو تھے، نہ بدزبانی کرتے تھے (کہ منہ سے گالیاں نکالیں) بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔'' (بخاری، باب حسن الخلق)

بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو اپنانا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ آج جو حالات مسلمانوں کو درپیش ہیں کہ بھائی بھائی دشمن بنے ہیں، ہم میں سے کوئی دوسرے کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، لڑائی جھگڑا، گالم گلوچ، اختلاف وانتشار، فتنہ وفساد، ایک دوسرے کے خلاف سازش، یہ سب درحقیقت دین سے دوری اور اخلاق حسنہ اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور جس معاشرے میں آپس میں دوریاں ہوں لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہوں وہ معاشرہ نہ تو ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی سکون سے رہ سکتا ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ آج ہم یہ عہد کریں کہ اپنے اخلاق و کردار کو شریعت کے مطابق ڈھالیں گے، ایک دوسرے کے لئے اپنے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا کریں گے، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق کو خود بھی اپنائیں گے اور اپنے گھر والوں و متعلقین کو بھی اپنانے کی ترغیب دیں گے۔

گناہوں کی اقسام اور توبہ کے فضائل وآداب

ڈاکٹر مولانا محمد عبدالحلیم چشتیؒ

جرم وخطا قابلِ مؤاخذہ: انسان فطری طور پر کمزور واقع ہوا ہے، اس میں بعض ایسی قوتیں (جیسے قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہویہ) ودیعت کی گئی ہیں کہ ان پر قابو پانا آسان نہیں، اس لیے اس سے خطا ہوتی رہتی ہے، وہ کبھی جان بوجھ کر جرم کر بیٹھتا ہے، کبھی انجانے میں اس سے گناہ ہوجاتا ہے، بھول چوک سے بھی لغزش ہوجاتی ہے۔ بہر حال خطا وجرم قابلِ مؤاخذہ ہے۔ گناہوں کی اصل غفلت، نسیان، بھول چوک، گمراہی اور بے راہ روی اس کی جڑ ہیں۔ شمس الدین ابن قیم الجوزیہ دمشقیؒ متوفی ۷۵۱ھ ''الجواب الكافي'' صفحہ: ۱۳۳ پر رقم طراز ہیں: ''معاصی، شہوت وشبہات کے خلاف جہاد کے لیے حسب ذیل امور کی تکمیل ضروری ہے: ۱- دشمن کے مقابلے میں پامردی۔ ۲- دشمن کی نگرانی اور سرحدوں کی نگہبانی۔ ۳- قلوب اور اس کی سرحدوں کی حفاظت، تاکہ دشمن سرحدوں سے اندر نہ آسکے۔ سرحدیں یہ ہیں: ۱- آنکھ، ۲- کان، ۳- زبان، ۴- پیٹ، ۵- ہاتھ، ۶- پاؤں۔'' یہی راستے ہیں جن سے دشمن اندر داخل ہونے کا راستہ پاتا ہے، لہٰذا ان سرحدوں کی حفاظت کرو، تاکہ دشمن داخل نہ ہوسکے۔ یہ صحابۂ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، جنہوں نے ان سرحدوں کی اچھی طرح حفاظت کی تھی، ان سرحدوں کی حفاظت ورع وتقویٰ سے کی جاتی ہے، دعاؤں میں کثرت سے اس کا ذکر موجود ہے۔

گناہ ومعصیت کا ظاہری اثر: گناہ ومعصیت کا ظاہری اثر یہ ہوتا ہے کہ گنہگار کو مدح وشرف کے بجائے مذمّت کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ اسے: مؤمن، صالح، محسن، متقی، مطیع، منیب (اللہ سے رجوع کرنے والا) ولی، عابد، خائف، اَوّاب (اللہ سے لو لگانے والا) وغیرہ الفاظ کے بجائے: فاجر، عاصی، معاند (مخالفِ حق)، مفسد، خائن، زانی، لوطی، سارق (چور) قاتل، کذاب (دروغ گو) رشتہ توڑنے والا اور بے وفا کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، جو اسے قہرِ الٰہی کی وجہ سے دوزخ میں جانے کا مستحق اور ذلت ورسوائی کی زندگی گزارنے والا بنادیتا ہے۔ اس کے برعکس متقی، رحمٰن کی رضا کا اور جنت میں داخلے کا مستحق ہوتا ہے۔

گناہوں کی اقسام: گناہوں کا دائرہ نہایت وسیع ہے، تاہم محققین علماء نے بڑے بڑے گناہوں کی نشاندہی کی ہے، ان سے احتراز ہر حال میں لازم ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیہؒ ''الجواب الكافي'' میں رقم طراز ہیں: ''گناہوں کی دو قسمیں ہیں: ۱- کبائر (بڑے بڑے گناہ)۔ ۲- صغائر (چھوٹے چھوٹے گناہ)۔ ان معاصی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فرمانبردار حاکم اپنے غلام وخادم کو کسی مہم پر دور بھیجے اور دوسرے کو حکم دے کہ گھر کا فلاں کام کرنا، پھر وہ دونوں اس کی سرتابی کریں، تو ان پر اس کی ناراضگی برابر ہوگی، وہ دونوں ہی اس کی نظر سے گر جائیں گے۔''

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ''استخفاف المعاصی، صفحہ: ۵'' میں فرماتے ہیں: ''ہر گناہ (گو وہ صغیرہ ہو) اپنی حقیقت کے اعتبار سے عظیم ہے، کیونکہ گناہ کی حقیقت ہے، حق تعالیٰ شانہ کی نافرمانی، اور نافرمانی خواہ چھوٹی ہو، بڑی ہے، باقی

گناہِ صغیرہ اور کبیرہ کا تفاوت ایک امرِ اضافی ہے، ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ بڑے ہی ہیں، کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہیے، جیسے آسمانِ دنیا، عرش سے چھوٹا ہے، مگر حقیقت میں کوئی چھوٹی چیز نہیں (ناپاکی، ناپاکی ہے، چاہے تھوڑی ہو، مگر حقیقت میں ناپاکی ہے)۔" موصوف "تذکیر الآخرۃ" صفحہ: ۲۵ میں رقم طراز ہیں: "گناہِ صغیرہ (چنگاری کی طرح ہے) چھوٹا سا گناہ بھی تمام نیکیوں کو برباد کرسکتا ہے، جس طرح چھوٹی سی چنگاری سارے گھر کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔" تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ گناہوں کے درجات اور ان کی سزائیں مختلف ہیں۔

کبائر کی تعریف: وہ علماء جنہوں نے کبیرہ گناہوں کے عدد کی تعیین وتحدید نہیں کی، ان میں سے بعض علماء کہتے ہیں: قرآن میں جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، وہ کبیرہ ہیں اور جن گناہوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا وہ صغیرہ ہیں۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ: جن گناہوں کی ممانعت یا جن پر لعنت وغضب کی وعید یا سزا آئی ہے وہ کبیرہ ہیں، ورنہ صغیرہ ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے: دنیا میں جن پر حد قائم ہو یا آخرت میں وعید آئی ہو، وہ کبیرہ ہیں اور جن کے متعلق نہ وعید آئی اور نہ حد قائم ہوئی وہ صغیرہ ہیں۔ بعض کا مختار یہ ہے کہ: جن گناہوں کے حرام ہونے پر شرائع متفق ہیں، وہ کبائر ہیں، جنہیں کسی شریعت نے حرام قرار نہیں دیا وہ صغائر ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے: جس گناہ کے کرنے والوں پر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی، وہ کبیرہ ہیں۔ جن علماء نے گناہوں کی تقسیم کبائر و صغائر میں نہیں کی، وہ کہتے ہیں: تمام گناہ جن میں سرتابی وجرأت پائی گئی اور حکمِ الٰہی کی مخالفت پائی گئی وہ کبائر میں داخل ہیں۔ جس نے "امر اللہ" حکمِ الٰہی سے سرتابی کی، محارم وحدود اللہ کو توڑا، وہ تمام گناہ کبیرہ ہیں، اور فساد میں برابر ہیں۔

کبائر کی تعداد: کبائر کی تعداد میں اختلاف ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چار بتاتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سات فرماتے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نو بیان کرتے ہیں، بعض علماء گیارہ اور بعض سترہ کے قائل ہیں۔

گناہوں کی اقسامِ اربعہ: گناہ (ذنوب) چار قسم کے ہیں: ۱- ذنوبِ ملکیہ۔ ۲- ذنوبِ شیطانیہ۔ ۳- ذنوبِ سبعیہ۔ ۴- ذنوبِ بہیمی۔ (۱) ذنوبِ ملکیہ۔ صفاتِ ربوبیہ کا انجام دینا، جیسے عظمت، کبریائی، جبروت، قہر، علو کا اظہار کرنا اور خلقِ خدا کو بندہ بنانا۔ (۲) ذنوبِ شیطانیہ: حسد، سرکشی، دغابازی، کینہ پروری، مکروفریب اور معاصی پر اکسانا اور اطاعتِ الٰہی وفرمانبرداریِ خداوندی سے روکنا، اس کو کمتر سمجھنا، بدعت کی طرف لوگوں کو بلانا، اگرچہ اس کی خرابی پہلے سے کمتر ہے۔ (۳)- ذنوبِ سبعیہ: عُدوان، سرکشی، غضب، خون بہانا، کمزوروں کو دبانا، ظلم وسرکشی پر جرأت کرنا۔ (۴) ذنوبِ بہیمیہ: پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات پوری کرنا، جس سے زنا کا ارتکاب ہوتا ہے، چوری کرنا، یتیموں اور ناداروں کا مال کھانا، بخل و حرص، بزدلی، مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا، وغیرہ ہیں۔

مُکفرات کے درجاتِ ثلاثہ: مُکفرات (گناہوں کو مٹانے والے اعمال) کے تین درجے ہیں: ۱- بعض وہ اعمال ہیں جو اپنی کمزوری وناتوانی کی وجہ سے چھوٹے گناہوں کو بھی مٹانے کے لائق نہیں، چنانچہ بعض نیک اعمال اخلاص اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی بنا پر ضعیف دوا کی حیثیت رکھتے ہیں جو کمیت وکیفیت کے اعتبار سے بہت کم اثر کرتی ہے۔ ۲- بعض وہ اعمال

ہیں جوصغائر کے لیے کفارہ ہوجاتے ہیں، چھوٹے گناہ ان کی وجہ سے معاف ہوجاتے ہیں،لیکن وہ کبائر میں سے کسی گناہ کونہیں مٹاتے ۔ ۱۳-وہ اعمال ہیں جوایسی طاقت رکھتے ہیں کہ صغائر کومٹاتے ہی ہیں،بعض کبائر کوبھی مٹادیتے ہیں۔

اسماعیل حقی بروسیؒ متوفی ۱۱۳۷ھ نے ''روح البيان في تفسير القرآن، ج:۲،ص:۲۸۶'' میں آیۂ شریفہ: ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى... الخ'' کی تفسیر میں گناہوں کی تین قسمیں ذکر کی ہیں، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں: ترجمہ: ''تم جان لوکہ گناہوں کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ گناہ ہے جو بیک وقت اللہ اور بندے دونوں کے حق سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً زنا، لواطت اور غیبت و بہتان ہیں۔ آخری دو گناہ غیبت و بہتان کا تعلق آپ کے ساتھ اس وقت تک ہے، جب تک ان گناہوں سے اسے خبر نہ لگے جس کی بدگوئی کی گئی ہے اور جس پر بہتان تراشی کی گئی ہے اور جب اسے خبر ہوگئی اور اس نے معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ بھی معاف فرمادیں گے۔ اسی طرح اگر کسی کی بیوی سے زنا کیا، جب تک شوہر معاف نہ کرے معاف نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ حق، عورت پر شوہر کے منجملہ حقوق میں سے ایک حق ہے، لہٰذا شوہر سے معاف کرانے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرنے کے بعد ہی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

شوہر سے معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس فعل کو بعینہٖ ذکر نہ کرے، بلکہ یوں کہے کہ: تمہارا میرے ذمہ جو حق ہے، اس کو معاف کردے، لہٰذا شوہر کا یہ کہنا کہ میں اپنے تمام حقوق سے جو تمہارے ذمہ ہیں معاف کرتا ہوں، کافی ہوگا، لہٰذا یہ معلوم شئ کی صلح، مجہول شئ پر ہوئی۔ یہ امتِ محمدیہ کے لیے کرامۃً جائز ہے، ورنہ پچھلی تمام امتوں میں یہ ضروری تھا کہ گناہ معاف کراتے وقت اس گناہ کا ذکر کیا جائے جسے معاف کرانا تھا، پھر اللہ تعالیٰ کی معافی ہوتی تھی۔

دوسرا: وہ گناہ ہے جس کا بندہ سے تعلق اس حیثیت سے ہے کہ وہ اعمال اللہ تعالیٰ نے بندے پر فرض کیے ہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہے، کسی نے انہیں چھوڑ رکھا ہے، لہٰذا محض توبہ کرنا کافی نہیں ہے جب تک ان کی قضا نہ کی جائے، اس لیے کہ یہ گناہ ایسا گناہ ہے جس کی توبہ کی شرط یہ ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے عملوں کی قضا کرے، ورنہ توبہ بے اثر رہے گی۔ تیسرا: وہ گناہ ہے کہ جس کا تعلق گناہ کرنے والے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ہے، مثلاً کسی کا مال چھین لیا، غصب کرلیا، یا کسی کی ناحق پٹائی کی، یا کسی کو گالی دی، یا ناحق کسی کو مار ڈالا، لہٰذا صرف توبہ کرنا کافی نہیں، جب تک کہ جس کا مال لیا یا گالی دی وہ یا اولیاءِ مقتول معاف نہ کریں، یا پھر اعمالِ صالحہ میں اتنی کوشش کی جائے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان دونوں کی آپس میں صلح کرائیں۔

چنانچہ بندہ جب توبہ کرے اور اس کے ذمہ لوگوں کے حقوق بھی ہوں تو اسے چاہیے کہ ان کے حقوق ادا کرے، اگر لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے عاجز آجائے اور قاصر ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی مغفرت فرمائیں گے، چنانچہ قیامت کے دن اس خصم کو حکم دیں گے کہ اپنا سر اٹھاؤ، جونہی وہ سر اٹھائے گا بڑے بڑے محل اس کی نگاہ کے سامنے ہوں گے، جنہیں دیکھ کر یہ پوچھے گا: اے اللہ! یہ کس کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم بھی اُنہیں لے سکتے ہو، ان کی قیمت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کو معاف کردو، تو وہ کہے گا: اے اللہ! میں نے معاف کیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں چلے جاؤ۔''

توبہ اور اس کی شرائط: ہر مؤمن مکلف پر گناہ سے توبہ کرنا فرض و لازم ہے اور اس میں تین باتیں ضروری ہیں: 1- گناہ پر ندامت و شرمساری اس حیثیت سے نہیں کہ اس کو بدنی یا مالی نقصان ہوا ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے۔ 2- بلا تاخیر اور سُستی کے پہلی ممکنہ فرصت میں گناہ کو چھوڑنا۔ 3- کبھی بھی اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ عزم اور ارادہ رکھنا اور اللہ نہ کرے پھر وہ گناہ ہو جائے تو از سرِ نو اس عزم و ارادہ کی تجدید کرنا۔

توبہ کے آداب: 1- نہایت عاجزی و انکساری سے گناہ کا اعتراف و اقرار کرنا۔ 2- اس پر استغفار کرنا، اس غلطی و گناہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عاجزی و تضرع سے معافی مانگنا۔ 3- کثرت سے نیکیاں کر کے پچھلی بُرائیوں کو مٹانا۔

توبہ کے مراتب: 1- کفّار کا کفر سے توبہ کرنا۔ 2- نیکی و برائی کرنے والوں کا کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا۔ 3- سچّے اور نیک لوگوں کا صغائر (چھوٹے گناہوں) سے توبہ کرنا۔ 4- عبادت گزاروں کا کاہلی، کمزوری اور کوتاہی سے توبہ کرنا۔ 5- سالک و رَہروانِ طریقت کا دلوں کے روگ اور کھوٹ سے توبہ کرنا۔ 6- پارساؤں کا شبہات سے توبہ کرنا۔ 7- اربابِ مشاہدہ کا غفلتوں سے توبہ کرنا۔

اسبابِ توبہ: 1- عذاب کا خوف۔ 2- ثواب کی امید۔ 3- حساب کے دن کی ندامت و شرمساری۔ 4- حبیب کی محبت۔ 5- ذاتِ باری تعالیٰ کا مراقبہ۔ 6- بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا خیال۔ 7- انعامِ الٰہی کا شکر۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گناہوں کو معاف کرانے کا ذریعہ توبہ ہے، اور توبہ وہی قبول کی جاتی ہے، جس میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے: ''اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ۔ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا'' (سورۃ النساء: ۱۷-۱۸) ترجمہ: ''اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لے لی ہے، وہ ان لوگوں کے لیے جو نادانی سے کوئی برائی کر ڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں، چنانچہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی، توبہ کی قبولیت ان کے لیے نہیں جو بڑے گناہ کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آ کھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لیے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دُکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' معلوم ہوا کہ جو سچّے دل سے توبہ کرتا اور آئندہ ہمیشہ اصلاح کی غرض سے کبھی گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کر کے توبہ کرتا ہے، اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، اپنی غلطی پر ندامت ہو تو توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے: ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کی اُمید پر گناہ کرتے رہنا درست نہیں، ایسی توبہ مقبول ہی نہیں، انسان جب تک زندہ رہے اپنے گزشتہ گناہوں پر اسے ندامت و پشیمانی ہوتی رہے اور وہ تلافیِ مافات کے لیے بڑھ چڑھ کر نیک کام کرتا رہے۔ یہ بھی اس عالم میں ایک روحانی سزا ہے، اس سزا کے بغیر اس کا عدل قائم نہیں رہتا۔

ذرا غور فرمائیں! ساری عمر جسے اپنے بُرے کاموں کا رنج اور صدمہ رہے وہ بار بار توبہ کرتا رہے، کیا یہ سزا کم ہے؟ جب توبہ میں

دوامی اصلاح کا عہد شامل ہے تو اعمال محدود نہ رہے، اس لیے کہ دوامی عہد کے معنی یہ ہیں کہ اگر تائب کو غیر محدود زندگی مل جائے تو بھی وہ اس عہد پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ قدرت کی طرف سے انسان کی فطرت میں ضعف ونسیان اس لیے ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مالک وخالق کے حضور میں توبہ کرتا رہے اور سر بسجود ہو کر اس کی عبودیت کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگتا رہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے نامور شاگرد علامہ ابن قیم الجوزیہؒ (۷۵۱ھ) الجواب الکافي، ص:۱۲۱/ میں رقم طراز ہیں: ترجمہ: ''توبہ ایسی چیز ہے کہ توبہ کرنے کے بعد بندہ گناہ کرنے سے پہلے سے بھی بہتر حالت میں آجاتا اور اس کا درجہ پہلے سے بھی بلند تر ہو جاتا ہے، حالانکہ خطا وگناہ نے اس کی ہمت پست کر دی تھی، اس کا ارادہ کمزور اور اس کا قلب بیمار ہو گیا تھا۔ اگر توبہ نے اسے پہلی صحت کی طرف نہیں لوٹایا اور وہ اس درجہ کو نہیں پا سکا تو معلوم ہوتا ہے اس نے سچے دل سے توبہ نہیں کی۔ کبھی توبہ سے اخلاقی بیماری جاتی رہتی ہے، سابقہ صحتِ ایمانی لوٹ آتی ہے، وہ اچھے اعمال کرتا رہتا ہے تو بلند درجہ پالیتا ہے، جب میلان معصیت کی طرف بڑھ جائے تو وہ معصیت اصل ایمان پر اثر انداز ہو جاتی ہے، اور آدمی شک وشبہات اور نفاق کے دلدل میں پھنس جاتا ہے، یہ گناہوں کی طرف ایسا میلان ہے کہ جب تک وہ توبہ سے اپنے ایمان کی تجدید نہیں کرتا اس دلدل سے نہیں نکلتا۔''

مغفرت ومعافی کا نظام: ایک مسلمان سے گناہ ہو جاتے ہیں، لیکن خوفِ خدا اور آخرت کی باز پرس اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، وہ اپنے کیے پر برابر پچھتاتا، پشیمان ہوتا، بارگاہِ الٰہی میں روتا، گڑگڑاتا، سچے دل سے معافی مانگتا، توبہ کرتا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرما کر جہنم کی سزا بھی معاف کر دیتا ہے۔ مغفرت ومعافی کے دس اسباب ہیں، جن کی نشاندہی علامہ ابن تیمیہؒ نے ''منهاج السُنّة'' میں کی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''مطلق گناہ ہر مومن کے لیے جہنم کے عذاب کا باعث ہے، آخرت میں یہ عذاب حسبِ ذیل دس اسباب کی وجہ سے ختم کر دیا جاتا ہے: پہلا سبب توبہ ہے، گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔

کفر، فسق، فجور، نافرمانی اور عصیان سب سے توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: ''أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' (المائدۃ:۷۴) ترجمہ: ''کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لیے اللہ کی طرف رُجوع نہیں کریں گے؟ اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' توبہ سے گناہ معاف ہی نہیں ہوتے، بلکہ اللہ کے یہاں مرتبہ بھی بلند ہوتا ہے، جب وہ کسی کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور وہ توبہ کرتا ہے تو ایسی توبہ کرتا ہے کہ وہ توبہ اسے بعض اوقات منتہائے کمال کو پہنچا دیتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ توبہ کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ'' (البقرۃ:۲۲۲) ترجمہ: ''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں۔'' توبہ سے برائیاں اچھائیوں میں بدل دی جاتی ہیں۔ گناہ کے بعد بندہ توبہ کرتا ہے اسے شرمساری ہوتی ہے، وہ بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑاتا، روتا دھوتا ہے۔ اس ندامت وفروتنی سے اسے وہ حاصل ہوتا ہے، جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔ توبہ اللہ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نہ ہوتی، تو وہ اکرمِ خلق کو آزمائش وابتلاء میں نہ ڈالتا، ایک حدیث میں آتا ہے: ''میرا ذکر کرنے

والے میرے ہمنشیں ہیں، میرا شکر کرنے والے میری طرف سے زیادہ نعمت کے مستحق ہیں، میرے اطاعت شعار بندے میری عنایت وکرم کے مستحق ہیں، لیکن میں اہلِ معصیت اور گنہگاروں کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا، اگر وہ توبہ کریں تو میں ان کا حبیب ہوں، اور وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں، انہیں مصائب میں ڈالتا ہوں، تاکہ انہیں برائیوں اور خرابیوں سے پاک وصاف کروں، توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے، خواہ جوان ہو یا بوڑھا۔‘‘

دوسرا سبب استغفار کرنا ہے۔ استغفار کے معنی مغفرت وبخشش مانگنا، معافی مانگنا ہیں۔ استغفار، دعا اور سوال کی جنس سے ہے، اور اکثر وبیشتر توبہ کے ساتھ آتا ہے، استغفار کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے، لیکن انسان کبھی توبہ کرتا ہے اور دعا نہیں مانگتا اور کبھی دعا مانگتا ہے تو بہ نہیں کرتا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت سے نقل کرتے ہیں، یعنی حدیثِ قدسی ہے: ’’کسی بندے نے کوئی گناہ کیا اور شرمسار ہو کر کہا: اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا تو مجھے بخش دے، پھر اس کے رب نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہا: کیا میرے بندے کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اسے گناہ پر پکڑتا ہے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا، پھر وہ گناہ سے باز رہا، جب تک اللہ نے چاہا، پھر گناہ کر بیٹھا، اس نے پھر کہا: اے میرے رب! مجھ سے دوسرا گناہ ہو گیا تو مجھے معاف فرما، اللہ نے پھر پوچھا کہ میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اسے گناہ پر پکڑتا ہے؟ میں نے اس کی وجہ سے اپنے بندے کو بخش دیا، پھر وہ گناہ سے باز رہا جب تک اللہ کو منظور ہوا، پھر اس سے گناہ سرزد ہو گیا، پھر اس نے عرض کی: میرے رب مجھ سے پھر گناہ ہو گیا تو مجھ سے درگزر کر، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ سے درگزر کرتا ہے اور اسے گناہ پر پکڑتا ہے؟ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، پس اسے چاہیے جو چاہے کرے۔‘‘

توبہ تمام برائیوں اور گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور توبہ کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جو تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا‘‘ (سورۃ النساء:۱۱۶) ترجمہ: ’’بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی، جس کے لیے چاہتا ہے بخشش کرتا ہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا گرتا ہے۔‘‘ اللہ تعالیٰ توبہ کے متعلق فرماتا ہے: ’’قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ‘‘ (الزمر:۵۳) ترجمہ: ’’کہہ دو کہ: ’’اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یقین جانو! اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔‘‘ نوٹ: استغفار توبہ کے بغیر مغفرت کو لازم نہیں کرتا، لیکن وہ معافی وبخشش کا ایک سبب ضرور ہے۔

تیسرا سبب اعمالِ صالحہ (یعنی نیک اور اچھے کام) ہیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے: ’’إِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْہِبْنَ السَّیِّئٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ‘‘ (سورۃ ہود:۱۱۴) ترجمہ: ’’یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ایک نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت

مانیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اے معاذ! اللہ سے ڈرتے رہو جہاں کہیں بھی ہو، بُرائی ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو، نیکی بُرائی کو ختم کر دیتی ہے، اور لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آؤ'' ایک اور موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم نے دیکھا؟ تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور اس میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے جواب دیا: نہیں، فرمایا: اسی طرح پانچ وقت کی نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں جس طرح پانی میل کو مٹا دیتا ہے۔'' یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ ہر نیکی اور حسنہ ہر بُرائی اور سیئہ کو نہیں مٹاتی، بلکہ مقابلۃً کبھی وہ صغائر کو مٹاتی ہے اور کبھی کبائر کو مٹاتی ہے، گویا اخلاص کے اعتبار سے یہ فرقِ مراتب ملحوظ رکھا گیا ہے۔

چوتھا سبب مؤمنین کے لیے دعا کرنا ہے، مسلمانوں کی جنازہ کی نماز پڑھنا، اور اس میں مردہ و زندہ ہر ایک کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا مانگنا، اسی طرح نمازِ جنازہ کے علاوہ بھی مؤمنین کا مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنا بخشش کا باعث ہے، چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مسلمانوں کے حق میں برابر مغفرت کی دعا مانگنا احادیث سے ثابت ہے۔ پانچواں سبب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتِ محمدیہ کی مغفرت کی دعا فرمانا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ان کے حق میں استغفار کیا ہے۔ اور وفات کے بعد قیامت کے دن مؤمنین کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز ہونا ہے، ان میں وہ مخصوص لوگ بھی شامل ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور شفاعت سے زندگی اور موت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ چھٹا سبب وہ نیک عمل ہے جو مرنے کے بعد مردہ کو تحفہ و ہدیہ کے طور پر پہنچتا ہے، جیسے کسی کا کسی کی طرف سے صدقہ کرنا، حج کرنا، روزہ رکھنا، اس کا اجر و ثواب مردہ کو پہنچتا ہے، اور اس سے اُسے فائدہ ہوتا ہے۔

ساتواں سبب دنیوی مصائب ہیں: اللہ تعالیٰ دنیوی مصائب سے بھی گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں، جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کو جو مصیبت و تکلیف، رنج و غم اور اذیت پہنچتی ہے، حتیٰ کہ کانٹا بھی لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی خطائیں اور گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں بکثرت روایات آئی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم خاص مصائب اور آزمائشوں سے گزرے ہیں اور عام مصائب سے بھی، چنانچہ فتن میں بہت سے قتل کیے گئے، اور جو زندہ رہے انہوں نے اپنے اہل وعیال، عزیز و اقارب کو بھی قتل ہوتے دیکھا، اور وہ اپنے مال میں آزمائش سے گزرے، خود بھی زخم خوردہ رہے، حکمرانی اور عزت وغیرہ سے محروم کیے گئے، یہ تمام ایسے امور ہیں جو مسلمانوں کی سیئات کو مٹا دیتے ہیں، پھر صحابہؓ کیوں اس سے محروم رہتے؟ آٹھواں سبب مؤمن کا اپنی قبر میں جھٹکے اور فرشتوں کے سوالات سے (جو امتحان و آزمائش ہے) گزرنا بھی گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مغفرت کا سبب بنتا ہے۔ نواں سبب آخرت میں قیامت کے دن کی ہولناکی، بے چینی اور تکلیف کو برداشت کرنا ہے۔ دسواں سبب مؤمنین کا پُل صراط سے گزرنا، جنت و دوزخ کے پل پر ٹھہرنا، اور جہنّم کے مناظر کو دیکھنا، اور اس سے تہذیب و تربیت پا کر جنت میں داخلہ کی اجازت و بشارت سے سرفراز ہونا ہے۔

نوٹ: ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں سبب میں جو مختلف تکالیف پر گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، ان کا مقصد تطہیر ہے، ایک مسلمان کو اس کے گناہوں سے اس طرح پاک صاف کرنا ہے جس طرح دھوبی کپڑے کو میل کچیل سے پاک صاف کرتا ہے۔

گجرات کی ایک انوکھی و منفرد درسگاہ

مفتی محمد ریحان گودھروی

قدیم طریقۂ تعلیم:

زمانۂ ماضی میں عموماً باقاعدہ مدارس نہیں ہوتے تھے۔ علمائے کرام اپنے طور پر طالب علموں کو قرآن وحدیث و دیگر علوم اسلامیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ قرب وجوار کے طلبہ، فارغ وقت میں آکر تعلیم حاصل کرتے اور دور دراز کے طلبہ استاذ ہی کی چوکھٹ پر آکر پڑ جاتے تھے کہ استاذ کو جب موقع ملے گا پڑھا دیں گے۔ پھر استاذ کی جانب سے جو کچھ کھانے پینے کو انہیں مل جاتا یہ طلبہ اسی پر قناعت کرتے ہوئے یکسوئی کے ساتھ استاذ سے استفادہ کرنے میں مصروف رہتے یا پھر خالی وقت میں کچھ مزدوری وغیرہ کر لیتے۔

نہ جانے کتنے طلبہ نے اسی طرح بڑے بڑے ماہرین علم وفن سے اکتساب فیض کیا اور پھر وہ خود بھی بڑے عالم بنے۔ تعلیم و تعلم کا اصل اور عام طریقہ یہی تھا اور اس طرح طالب علم استاذ سے صرف علم ہی حاصل نہیں کرتا تھا، بلکہ استاذ کے اختصاصی پہلو کو بھی اپنے اندر سمو لیتا تھا اور استاذ کی تعلیم وتربیت اسے استاذ کے رنگ میں رنگ دیتی تھی، وہ استاذ کا جانشین سمجھا جاتا تھا اور اس کے علوم کا اصل وارث وہی ہوتا تھا۔ موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس تو کہیں کہیں تھے۔ عام طریقۂ تعلیم یہی تھا اور ماضی کے بیشتر علماء نے اسی طریقہ سے علوم قرآن وحدیث پڑھا اور پڑھایا۔

حضرت مولانا ابو عمار زاہد راشدی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا تعارف یہ ہے کہ جب یہ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ اس زمانہ میں مدارس کی یہ (موجودہ زمانے کی) شکل نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو ۱۸۵۷ء کے بعد کے تقاضوں کے باعث شکل بنی ہے۔ اس زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ صاحب علم آدمی کسی جگہ بیٹھا ہوا ہے، لوگ آرہے ہیں اور وہ پڑھا رہے ہیں۔ مدرسہ کا کوئی نام نہیں ہے، بس ایک شخصیت بیٹھی ہے، لوگ آتے ہیں اور پڑھتے ہیں، کوئی نحو پڑھ رہا ہے، کوئی صَرف پڑھ رہا ہے اور کوئی حدیث پڑھ رہا ہے۔

''اس زمانے کا مدرسہ یہ ہوتا تھا اور یہ منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، گکھڑ (ضلع گوجرانوالہ) میں والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۹۴۳ء میں دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے، آکر مسجد میں بیٹھ گئے اور سنہ ۱۹۵۲ء میں جامعہ نصرۃ العلوم (گوجرانوالہ) قائم ہوا ہے، اِن درمیان کے دس سالوں میں والد محترمؒ کے پاس لوگ آتے تھے، مسجد میں قیام ہوتا تھا، اُس زمانے میں (تقریباً) پینتیس چالیس طلباء ہوتے تھے۔ محلہ والے روٹی کھلا دیتے تھے اور استاد جی پڑھا دیتے تھے، یہ تھا مدرسہ! میں نے ایک مرتبہ والد صاحبؒ سے پوچھا کہ ''آپ دن میں کتنے سبق پڑھا لیتے تھے؟'' فرماتے ''(دن میں) بائیس بائیس سبق بھی پڑھائے ہیں''۔ اس زمانے کا مدرسہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی صاحب

علم شخصیت آ کر بیٹھ گئی ہے اور لوگ پڑھنے کے لیے آ رہے ہیں، نہ اس بات کی پرواہ ہے کہ کہاں رہیں گے، کھائیں گے کہاں سے؟ لہٰذا مسجد بیٹھنے کی جگہ ہوتی تھی، محلے دار روٹی کھلا دیتے تھے اور استاد جی پڑھا دیتے تھے۔ تنخواہ کا چکر نہ کوئی گریڈ کا چکر اور نہ ہی کوئی باقی سہولتوں کا چکر تھا۔

''اسی طرح حضرت گنگوہیؒ بھی آ کر بیٹھ گئے، صاحب علم اور بڑے ذہین تھے اور تقریباً پچاس سال گنگوہ میں بیٹھ کر آخر وقت تک شخصی مدرسہ میں پڑھاتے رہے اور ہزاروں سے بھی زیادہ لوگ ان سے پڑھتے رہے۔ یہ ان کا دوسرا تعارف ہے کہ اپنے دور کی بڑی علمی شخصیات میں سے تھے کہ جن کے پاس پورے جنوبی ایشیاء کے لوگ آتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ میں گنگوہ گیا ہوں، مولانا اللہ وسایا صاحب بھی ساتھ تھے اور انھوں سے یہ ساری روئداد (''ایک ہفتہ شیخ الہندؒ کے دیس میں'' کے نام سے) شائع کی ہے۔ (راشدی صاحب کی بات پوری ہوئی)

موجودہ مدارس کے حالات:

پھر جب سے رائج نظام کے مطابق مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور قدیم طریقہ ختم ہوا، تو افسوس کہ آہستہ آہستہ وہ اختصاصی پہلو بھی ختم ہو گیا، جو شاگرد، استاذ سے حاصل کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آج فضلائے مدارس کی تعداد تو ماضی کے کسی دور کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، لیکن مضبوط صلاحیت اور کسی فن میں امتیازی مقام رکھنے والے علماء بہت کم نظر آتے ہے۔

موجودہ دور کے مدارس داخلی مسائل اور خارجی حملوں کے باعث مستقبل میں اپنا وجود کس حد تک قائم رکھ سکیں گے اور درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ لیکن داخلی طور پر مدارس اسلامیہ میں جو بے اعتدالیاں درآئی ہیں، ذمہ داران مدارس کی جس طرح پوری توجہ تعلیمی اصلاحات وترقی کے بجائے، بلڈگوں کی تعمیر اور چمک دمک پر مرکوز ہوتی ہے اور مدارس کے اندر باصلاحیت علماء وفضلاء کی جس طرح ناقدری ہو رہی ہے، یہ ایک لمحۂ فکریہ ہیں اور مدارس کے لئے نیک فال نہیں ہے، جہاں اخلاص، آہ سحرگاہی، شریعت کی پابندی اور امانت ودیانت ہی پر پوری بنیاد کھڑی ہے، ان میں سے کسی ایک سے عدم توجہی پوری عمارت کو متزلزل کر سکتی ہے۔ الامان والحفیظ۔ اگر یہی صورت حال رہی ہے، جو اس وقت عام مدارس کی ہے، تو وہ دن دور نہیں کہ باغیرت ومتدین اور باصلاحیت علماء، ماضی کی طرف پلٹے اور اپنی قیام گاہ ہی پر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کرنے پر مجبور ہوں گے۔

قدیم طریقۂ تدریس کا آغاز:

حضرت الاستاذ جامع شریعت وطریقت مفتی عبدالستار صاحب گیتیلی گودھروی دامت برکاتہم نے بہت سے مدارس اسلامیہ میں انتہائی کامیابی کے ساتھ درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے کے بعد محسوس کیا کہ اگر غیرت، وخودداری اور خود اعتمادی و یکسوئی کے ساتھ درس وتدریس کا فریضہ انجام دینا ہے، تو ضروری ہے کہ مدارس کی چہار دیواری سے باہر نکلا جائے اور قدیم طریقۂ

تعلیم کو اختیار کرتے ہوئے آزادی کے ساتھ اپنے گھر رہ کر یہ فریضہ انجام دیا جائے۔ چنانچہ حضرت نے مدارس کو خیر آباد کہا اور اپنے گھر کی راہ لی اور وہیں سے چراغ علم روشن کرنے کا عزم مصمم کیا۔ بلاشبہ مدرسہ تو نام ہی ہے استاذ وطلبہ کا، جہاں کوئی عالم، چند ایک طلبہ کو لیکر بیٹھ گیا، وہیں مدرسہ ہو گیا، مدرسہ کسی بلڈنگ وعمارت کا نام نہیں ہے۔ کاش اہل مدارس کو اس حقیقت سے کوئی آگاہ کر دیتا۔

حضرت الاستاذ کے اوصاف حمیدہ:

حضرت والا کو اللہ رب العزت نے گونا گوں اوصاف حمیدہ واخلاق کریمہ سے متصف فرمایا ہے۔ علم وعمل کی جامعیت، زہد وتقوی، تواضع وخاکساری، شوق عبادت، ذوق مطالعہ، مال ودولت سے بے رغبتی، دنیا کے جھمیلوں سے یکسوئی، سخاوت وفیاضی، طلبہ کے ساتھ ہمدردی، ان کے احوال کی خبر گیری اور انہیں علوم قرآن وحدیث سے واقف کرانے کا بے پناہ جذبہ، طلبہ کے اندر آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرنا اور ان کے مستقبل کی فکر ایسے اوصاف ہیں کہ جس نے آپ کو علم کی ایک ایسی شمع بنادی، جس پر علم کے پروانے نچھاور ہونے لگے اور چند ہی سالوں میں آپ کی رہائش گاہ مرکز علم وفن نظر آنے لگی۔

پڑھانے کا انداز:

آپ نے اپنا دروازہ ہر طالب علم کے لئے کھول دیا، جو بھی اور جس وقت بھی پڑھنا چاہے، بلا تکلف آپ سے آکر پڑھ لے، رات ہو یا دن۔ باقاعدہ کوئی جماعت اور درجہ بندی نہیں، طالب علم عربی اول سے مشکوۃ شریف تک کی جو بھی کتاب پڑھنا چاہے، وہ آکر پڑھے۔ اگر طالب علم ذہین ہے اور وہ ایک سال میں دو تین جماعتوں کی کتابیں پڑھ سکتا ہے، تو آپ اس کے لئے بھی تیار۔ بعض طلبہ دن میں اسکول ویونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں یا کہیں مزدوری وملازمت کرتے ہیں، ان کے لئے رات کا وقت خالی ہے، جب فرصت ملے آکر پڑھ لیں۔ چنانچہ بعض طلبہ سحر کے وقت پڑھتے ہیں، تو بعض نماز فجر کے بعد اور بعض دن کے اوقات میں۔ آپ کا بھی اپنا کوئی معمول نہیں ہے، تھوڑا موقع ملا، آرام کر لیا، نہیں ملا تو پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہے، یا ذکر واذکار اور تسبیحات کے معمولات کی تکمیل کر لی۔ اسی طرح آپ کے لیل ونہار گذر رہے ہیں۔ نہ کسی طالب علم سے کوئی لالچ، نہ کہیں آنا جانا، نہ کسی سے ملنا جلنا اور نہ کسی سے پڑھانے کی کوئی فیس لینا، بس للہ فی اللہ خدمت دین۔

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ عربی اول کی ابتدائی جماعتوں سے لے کر مشکوۃ شریف ودورۂ حدیث شریف تک کی تمام کتابوں کو پڑھانا کس قدر محنت وپختہ صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ رب کریم نے حضرت الاستاذ کو ایسی علمی صلاحیت عطا فرما رکھی ہے کہ بنفس نفیس تمام کتابیں خود پڑھاتے ہے اور انتہائی کامیابی کے ساتھ پڑھاتے ہیں۔ پڑھنے والے طالب علموں کے اندر پڑھنے کا ایسا ذوق وشوق پیدا کر دیتے ہیں اور ان کے اندر ایسی علمی صلاحیت پیدا کر دیتے ہے کہ وہ دورہ حدیث شریف کے لئے دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور جیسے اہم اداروں کے داخلہ امتحان میں بلا تکلف شریک ہو کر کامیاب ہوتے ہیں اور یہاں کی عالی نسبتوں کو حاصل کرتے ہیں۔ چاہیں تو حضرت الاستاذ دورہ حدیث کی بھی تکمیل کرا دیں، لیکن آپ چاہتے ہے کہ آپ کے تلامذہ ان مراکز اسلامیہ سے مربوط رہیں اور یہاں کی بھی عالی

نسبتیں حاصل کریں۔اس لئے دورہ حدیث شریف کے لئے آپ تمام طلبہ کو دیوبند و مظاہر علوم یا گجرات کے بڑے مدارس میں بھیجتے ہیں۔

قید و بند اور جیل میں درس و تدریس کا سلسلہ:

درس و تدریس کا یہ فیضان جاری تھا اور بہت سے طالبان علوم نبوت علوم قرآن و حدیث حاصل کر رہے تھے کہ ۲۰۰۲ء میں گودھرا کا حادثہ پیش آ گیا، جس کے نتیجے میں پورا گجرات جل اٹھا۔فساد کے بعد جب گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مجرم و غیر مجرم کی شناخت کے بغیر جو بھی ملا اسے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ایسے حالات میں حضرت مفتی صاحب کس طرح بچ سکتے تھے۔چنانچہ حضرت کو بھی گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔جب جیل جانے لگے تو حضرت نے حاضرین سے فرمایا: ''تم لوگ بہت فکر نہ کرو، مشیت ایزدی یہی ہے، نو سال کے لئے جا رہا ہوں، نو سال کے بعد پھر یہیں اسی تاریخ کو ملوں گا''۔اسے کرامت کہیں یا کشف کہیں، ٹھیک نو سال کے بعد آپ جیل سے رہا ہو کر، پھر علوم قرآن و حدیث کو عام کرنے اور طالبان علوم نبوت کے سینوں کو اس سے منور کرنے کے اپنے مشن پر فائز ہو گئے۔

جیل میں حکام کا بھی معاملہ آپ کے ساتھ عجیب و غریب تھا، سب آپ کا ادب و احترام کرتے اور آپ کے ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آتے۔نہ کبھی کسی نے آپ کو مارا پیٹا، نہ کسی نے کوئی سختی کی۔جب آپ نے جیل کا ماحول سازگار دیکھا تو اپنے مشن پر لگ گئے۔جیل کے جس حصہ میں آپ قید تھے، وہاں بہت سے اور مسلمان بھی قید تھے، آپ نے انہیں پیش کش کی کہ وہ کچھ نہ کچھ آپ سے پڑھ لیں۔تقریباً: ۵۰ قیدی اس کے لئے تیار ہوئے اور آپ نے سب کو حسب موقع و سہولت بغیر کسی کتاب و کاپی قلم کے پڑھانا شروع کر دیا۔بعد میں کسی طرح کتابیں بھی حاصل ہو گئیں اور با قاعدہ جیل میں آپ کا درس ہونے لگا، کئی ایک ساتھی جلد رہا ہو گئے، کئی ایک دوسری جیلوں میں منتقل کر دئے گئے اور صرف پانچ ساتھی رہ گئے۔ان لوگوں نے باقاعدہ مشکوۃ شریف تک تعلیم کی تکمیل کی۔پھر بعد میں جب رہا ہو گئے تو ان حضرات میں سے مولانا انور پٹیل، مولانا جنید حیات، مولانا ابراہیم سمول اور مولانا الیاس احمد آبادی نے، دورہ حدیث شریف کی تکمیل کر کے باقاعدہ عالم ہو گئے۔اگر چہ ان حضرات نے جیل ہی میں حضرت مفتی صاحب سے بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھ لیا تھا۔موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے جہاں آپ نے جیل میں بہت سے لوگوں کو دین کی تعلیم دی، وہیں اسی جیل میں رہتے ہوئے آپ نے انگریزی زبان بھی سیکھی۔

دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ:

جیل سے آپ کی رہائی ۲۰۱۱ء میں ہوئی۔رہائی کے بعد درس و تدریس کا وہی پرانا سلسلہ پھر اپنی پوری آب و تاب سے لوٹ آیا اور اب تک سیکڑوں طلبہ آپ سے تعلیم حاصل کر چکے اور بہت سے اس وقت زیر تعلیم ہیں۔ضعف و نقاہت اور مختلف بیماریوں کی وجہ سے بعض کتابیں آپ کے صاحب زادگان: حضرت مولانا مفتی محمد احمد صاحب اور مفتی محمود صاحب بھی پڑھاتے دیتے ہیں، ورنہ اکثر کتابیں آپ خود ہی پڑھاتے ہیں۔

ولادت باسعادت اور والدین:

حضرت الاستاذ کی ولادت باسعادت ۴/اپریل ۱۹۵۵ء کو ہوئی۔آپ کے والدمحترم جناب اسماعیل بن عبداللہ صاحب گیتیلی گودھروی ایک نیک وصالح اور سادہ طبیعت کے انسان تھے۔نماز روزے کے پابند تھے، حج بھی کیا ہوا تھا۔قناعت پسندی، اور خداترا سی مزاج تھا۔شہر گودھرا ہی میں رہ کر محنت اور جفاکشی سے کماتے تھے اور جو کچھ مل جاتا تھا اسی پر صابر وشاکر رہتے تھے۔کبھی کسی چیز کی فرمائش کسی سے نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت مفتی صاحب سے بھی کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی، جو کچھ بخوشی دے دیا، لے لیا، ورنہ سوال کرنا عادت نہ تھی۔پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن دین دوست تھے اور اہل علم سے محبت کرتے تھے۔حضرت مفتی صاحب نے جب علم دین کی راہ اختیار کی تو بہت خوشی کا اظہار کیا اور ہمیشہ یہ تاکید فرماتے تھے کہ علم دین کی خدمت اور درس وتدریس کی جس لائن میں لگے ہو، یہ بہت اچھا کام ہے، اسے چھوڑ نا مت۔اللہ تعالی نے آپ کو یہ بڑی نعمت دی ہے، کسی کے کہنے سے دنیا کی فکر میں مت پڑ جانا۔آپ کی وفات ۲۰۰۴ء میں ہوئی۔

حضرت کی والدہ ماجدہ مسماۃ ’’حنیفہ بی بی‘‘ ایک نیک وصالح خاتون ہیں، جو آج بھی انتہائی ضعف اور پچاسی سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود، نمازوں کی پابندی، تہجد کا اہتمام اور قرآن کریم کی تلاوت کا التزام رکھتی ہیں۔صحت کے زمانے میں لوگوں کے گھروں پر جا کر قرآن کریم کی اور دین کی تعلیم دیتی تھیں۔نماز کی تلقین اور احکام شریعت پر عمل کی تاکید کیا کرتی تھیں۔حضرت مفتی صاحب کی تعلیم تربیت میں ان کا بڑا دخل رہا ہے۔

نانا مرحوم:

آپ کی والدہ محترمہ کے والد بڑے متقی، پرہیز گار، عبادت گذار، ولی صفت انسان تھے۔نوافل وتہجد کا بھی بڑا اہتمام تھا۔ساتھ ہی تلاوت قرآن کریم کا بڑا شوق رکھتے تھے، اور یہ شوق رمضان المبارک میں اس حد تک بڑھ جاتا تھا کہ روزآنہ ایک قرآن ختم کردیتے تھے۔اللہ رب العزت نے نانا محترم کو خاندان کے دیگر افراد کے مقابلے میں علم کے ساتھ، مالی طور پر بھی قدرے خوش حالی عطا فرما رکھی تھی۔اس زمانے میں ایک حافظ عبداللہ نابینا مرحوم تھے۔محلے میں کوئی مہمان آتا تو وہ حافظ صاحب ہی کے یہاں آتا، اور پھر وہ اسے لیکر نانا مرحوم کے پاس آتے کہ مہمان کی ضیافت ہوسکے اور نانا مرحوم بڑی خوش دلی سے حسب استطاعت ضیافت فرماتے۔نانا مرحوم وعظ ونصیحت بھی کرتے تھے، اور اگر لوگوں کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہوجاتا تو صلح کرانے کے لئے پیش پیش رہتے، بارہا ایسا ہوا کہ فریقین کے درمیان صلح کرانے میں، روپئے کی ضرورت پڑی تو اسے اپنے ذمہ لے لیا۔اسی طرح ایک مرتبہ آپ پر ۸۰۰/روپے کا قرضہ بھی ہوگیا۔جب کہ اس وقت سو، دوسو روپے رکھنے والا مالدار سمجھا جاتا۔

بچپن:

حضرت الاستاذ کا بچپن زیادہ تر ننہال ہی میں گذرا ہے۔اور والدہ محترمہ کے ساتھ، آپ کے نانا محترم کا بھی آپ

کی پرورش و پرداخت میں بڑا حصہ رہا ہے، بلکہ علم دین پڑھنے کا شوق اور عبادت کا ذوق، آپ کے اندر یہیں پیدا ہوا۔ کیوں کہ آپ کے ددیہال میں پڑھنے پڑھانے کا کوئی ماحول نہیں تھا اور نہ ہی دین و شریعت سے لوگوں کا کوئی خاص رابطہ تھا۔ خاندان کے اکثر لوگ ان پڑھ اور متوسط درجہ کے تھے۔

تعلیم:

تعلیم کا اصلاً آغاز تو والدہ محترمہ ہی سے ہو گیا تھا۔ لیکن باقاعدہ تعلیم کے لئے پھودانی رابعہ صاحبہ کے پاس بٹھائے گئے، یہ وہ دور ہے کہ گودھرا میں مکاتب کے ساتھ، عورتیں بھی اپنے طور پر بچوں کو قرآن کریم، قاعدہ اور اردو وغیرہ کی تعلیم دیتی تھیں۔ ایسی ہی نیک باز عورتوں میں سے ایک پھودانی رابعہ صاحبہ ہیں۔ اس کے بعد ناظرہ قرآن کریم اور کچھ اردو کی کتابیں آپ نے حافظ عبدالستار صاحب پٹیل سے پڑھیں۔ جبکہ باقاعدہ اردو لکھنا پڑھنا اپنی والدہ ماجدہ سے سیکھا، ساتھ ہی والدہ ماجدہ سے قصص الانبیاء، فتوح شام اور بہشتی زیور کا کچھ حصہ بھی پڑھا۔ والدہ ماجدہ کی اردو بڑی اچھی تھی اور ابتدائی فارسی سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ اسی دوران پرائمری درجہ چار تک کی تعلیم بھی اسکول میں حاصل کی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد: ۱۹۶۵ء میں، جب کہ عمر ابھی صرف دس سال تھی، حفظ قرآن کریم کے لئے، آپ نے دارالعلوم لوناواڑا میں داخلہ لیا اور ۲۲ پاروں تک حفظ کیا۔ وہاں کی آب و ہوا خصوصاً پانی موافق نہ آیا، طبیعت خراب ہوگئی، تو مجبوراً گودھرا واپس چلے آئے اور یہیں رہ کر حافظ عبدالرحیم رشید بھائی سے بقیہ پاروں کی تکمیل کی۔ تکمیل کے بعد دور کے لئے ایک مرتبہ پھر لوناواڑا گئے لیکن پھر طبیعت خراب ہوگئی اور واپس آنا پڑا۔

یہاں سے واپس آنے کے بعد دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت تشریف لے گئے اور دور مکمل کرنے کے بعد فارسی اول و دوم اور عربی اول و دوم کی تعلیم مکمل کی۔ یہاں آپ کے خاص اساتذہ میں سے حضرت مولانا محمد قاسم کرمالی (جو الحمد للہ باحیات ہیں)، حضرت مولانا محمد یوسف لوڈھانیہؒ اور حضرت مولانا قاضی معین الدین صاحبؒ رہے ہیں۔ عربی سوم کی تعلیم دارالعلوم آنند میں حاصل کی۔

اس کے بعد: ۱۹۷۵ء میں مرکز علم و فن مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا اور جماعت عربی چہارم سے لیکر دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم یہیں حاصل کی۔ یہاں آپ نے مختصر المعانی، نور الانوار، اور جلالین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے پڑھی۔ جب کہ منطق کی اکثر کتابیں اور سراجی حضرت مولانا وقار علی صاحبؒ سے پڑھی۔ حضرت مولانا محمد اللہ صاحبؒ کے پاس شرح وقایہ، سبعہ معلقہ اور مقامات کا سبق تھا۔ اور حضرت علامہ یامین صاحبؒ کے پاس شرح جامی کا سبق تھا۔

بخاری شریف، مسلم شریف اور موطا امام محمد حضرت مولانا شیخ محمد یونسؒ نے پڑھایا اور ابوداؤد حضرت مولانا عاقل صاحب دامت برکاتہم نے۔ جبکہ ترمذی شریف کا سبق حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے پاس تھا، طحاوی شریف حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحبؒ نے اور نسائی شریف و موطا امام مالک حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحبؒ رائپوری نے پڑھایا۔ ۱۹۷۹ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی۔ تو تکمیل افتاء کے لئے آپ مدرسہ شاہی مرادآباد تشریف لے گئے اور ۱۹۸۰ء میں اس سے بھی فراغت حاصل

کرلی۔ یہاں پر آپ نے خاص طور پر حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب بچھرانویؒ کے پاس رہ کر تمرین فتاوی وغیرہ کی مشق کی۔

درس وتدریس کا آغاز:

تکمیل افتاء کے بعد درس وتدریس کے لئے، آپ کا تقرر دارالعلوم لوناواڈا میں ہوا۔ یہاں آپ کل تین سال رہے۔اوراس دوران ہدایہ اور جلالین شریف جیسی اہم کتابیں زیر درس رہیں۔ یہاں کے بعد دارالعلوم آنند آگئے اور مشکوۃ شریف وغیرہ کا درس آپ سے متعلق ہوا۔اس کے بعد حضرت مولانا مفتی ابراہیم آچھودیؒ کے حکم سے دارالعلوم تاراپور تشریف لے گئے، جہاں یہ بات طے ہوئی تھی کہ اس سال مسلم شریف کا سبق آپ سے متعلق رہے گا اور آئندہ سال بخاری شریف دی جائے گی، لیکن چند مہینوں کے بعد ہی حالات کچھ ایسے ناساز گار ہوئے کہ آپ اپنے گاؤں واپس آگئے۔

گودھرا واپس آنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب کسی مدرسہ میں پڑھانے نہیں جاؤں گا، بلکہ وطن ہی میں رہ کر جو کچھ دین کی خدمت ہوسکے گی انجام دوں گا اور جو طلبہ پڑھنا چاہیں گے، انھیں فی سبیل اللہ تعلیم دوں گا۔ یہاں ابتداءً آپ نے تقریباً ساڑھے تین سال مسجد محمدی میں امامت بھی کی، اس کے بعد یکسوئی وگوشہ نشینی اختیار کرتے ہوئے اپنے گھر میں فروکش ہوگئے اور آنے والے طلبہ کو تعلیم دینے لگے۔ (جس کا تفصیلی تذکرہ کیا جاچکا ہے۔) ۲۰۰۲ء کے گودھرا فساد میں حضرت کی گرفتاری کے بعد تقریباً نو سال یہ سلسلہ بند رہا، اگرچہ جیل میں جاری رہا۔ (جیسا کہ مذکور ہوچکا۔) رہائی کے بعد اپنی رہائش گاہ ہی پر رہ کر ایک مرتبہ پھر طالبان علوم نبوت کو سیراب کرنا اور علوم قرآن وحدیث سے انہیں مالا مال کرنا شروع کردیا اور تاحال یہ سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے جاری ہے۔آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔

یہاں چند ایک نام ذکر کئے جاتے ہے (۱) مولانا رمضانی بھاگلیا (۲) مفتی اقبال ہوری (۳) مولانا احمد سمول (۴) مفتی سلطان سمول (۶) مفتی قاسم پھالجی (۷) مولانا ہارون ہاتھی بھائی (۸) مفتی محمد احمد بن حضرت الاستاذ (۹) مفتی محمود بن حضرت الاستاذ (۱۰) مولانا شکیل پھودا اس کے علاوہ اور بھی کئی شاگرد ہے جو الحمد للہ کسی نہ کسی طرح دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اولاد:

آپ کے ۶/ بیٹیاں اور ۲/ بیٹے ہیں۔ بیٹوں میں حضرت الاستاذ مفتی محمد احمد صاحب مظاہر علوم سے فارغ ہیں، جبکہ مولانا مفتی محمود صاحب نے دارالعلوم وقف سے دورہ حدیث کی تکمیل کی ہے۔اور دونوں حضرات اپنے والد محترم کے علمی ودینی کاموں میں معین ومددگار رہتے ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

جدید میڈیکل سائنس کی بنیاد رکھنے والے مُعالجین

قسط(۱) ترجمہ: مولانا حکیم عبیداللہ عبید

(زیرِ نظر تحریر سعودی آرامکو ورلڈ میگزین میں شائع ہونے والے انگریزی مضمون کا اُردو ترجمہ ہے۔ از مترجم)

۱۱۲۰ء میں ایک مسلمان طبیب اپنے مریض کے معائنے کے لیے جا رہا تھا، مریض اشبیلہ کا حکمران تھا۔ طبیب نے سڑک کے کنارے ایک دوسرا مفلس مریض پڑا دیکھا، جس کے قریب پانی کا ایک گھڑا تھا، اس کا پیٹ سوجا ہوا تھا اور سخت تکلیف میں تھا۔ ''کیا تم بیمار ہو؟'' طبیب نے اس سے پوچھا اور بیمار آدمی نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''تم نے کیا چیز کھائی ہے؟''۔ ''صرف روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے اور اس گھڑے سے پانی''۔ ''روٹی تمہیں بیمار نہیں کر سکتی'' طبیب نے کہا۔ ''ہاں! پانی سے ممکن ہے، کہاں سے پانی بھرا تھا؟''۔ ''بستی کے کنویں سے'' طبیب نے کچھ دیر سوچا: ''بستی کا کنواں صاف ہے، لیکن گھڑے میں شاید کچھ ہو، اُسے توڑ دو اور دیکھو کہ اس میں کیا ہے؟'' آدمی چلانے لگا: ''نہیں، میرے پاس صرف یہی ایک گھڑا ہے''۔ ''اب دیکھتے ہیں کہ اس گھڑے سے کیا برآمد ہوتا ہے؟'' طبیب نے جواب دیا اور آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ: ''نیا پیٹ خریدنا ناممکن اور گھڑا خریدنا آسان ہے۔'' آدمی نے پھر چیخنا چلانا شروع کیا، لیکن طبیب کے نوکروں میں سے ایک نے پتھر اُٹھایا اور گھڑے پر دے مارا، ایک مردہ مینڈک بدبودار پانی کے ہمراہ اس میں سے برآمد ہوا۔ ''میرے دوست! دیکھو تم کیا پیتے رہے؟ یہ مینڈک اپنے ساتھ تجھے بھی مروا دیتا۔ یہ اشرفی لو اور جاؤ نیا گھڑا خرید لو!'' کچھ دن بعد جب طبیب اس راستے سے گزر رہا تھا تو اس نے مریض کو وہاں بیٹھے دیکھا، اس کا پیٹ صحیح سالم تھا، وزن کچھ بڑھ گیا تھا اور رنگ وروپ بھی نکل آیا تھا۔ اس نے طبیب کو دیکھ کر دعائیں دینا شروع کیں۔ (ماخذ: تیرھویں صدی عیسوی کا مشہور ادیب اور مؤرخ ابن ابی اصیبعہ)

استدلال کا یہ مذکورہ بالا فکری عمل (جس میں حقائق سے نتائج کے حصول کے لیے عمومی اصول وضع کیے جاتے ہیں) جس وقت مسلم اسپین میں اپنی جگہ بنا رہا تھا، عیسائی یورپ میں علاج کا عمل، اس کے مقابلے میں لنگڑا لنگڑا کر اس نقطۂ نظر کے مطابق چل رہا تھا کہ طبیب، مریض کا علاج کر کے خدا کی مرضی للکارتا ہے۔ مریض کو علاج اور ادویات کی بجائے جھاڑ پھونک سے اچھا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مشرق میں اسلام کی اشاعت ساتویں صدی عیسوی کے اول میں شروع ہوئی۔ پہلے سے موجود علوم کا انجذاب اور ان میں ترقی کا ایک ہالہ نمودار ہوا، جن میں علم ادویہ بھی شامل تھا۔ عرب فاتحین نے نئی رعایا سے مسلسل یہ علوم اپنے اندر جذب کر لیے۔ عربی زبان نے مشرق میں وہی رتبہ حاصل کیا جو مغرب میں یونانی اور لاطینی کو حاصل تھا۔ عربی زبان علم وفن اور ادب کی زبان بن گئی۔ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر عربی دانشوروں کی زبان بن گئی۔ حج، مکہ مکرّمہ میں ہر سال لاکھوں زائرین ایک جگہ جمع کرتا اور ایک دوسرے کے ساتھ کتابوں، نظریات اور خیالات کے تبادلے کا موقع فراہم کرتا تھا۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید اور اس کے بیٹے مامون الرشید نے عربی زبان میں یونانی علوم وفنون کے ترجمہ کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے اور اسے سہل الحصول بنانے کے لیے بغداد میں ایک دارالترجمہ ''Translation Bureau''۔''بیت الحکمت'' کے نام سے قائم کیا۔''بیت الحکمت'' کا مطلب ہے:''دانائی کا گھر''جس نے آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں ابتدا کی۔اس ادارے نے مسلمانوں کے مقبوضہ اور باہر کے علاقوں میں اپنے نمائندے بھیجے، تاکہ ہر زبان کے علم ودانش کے مخطوطات کو تلاش کریں۔عربی میں ترجمہ شدہ ان قیمتی کتابوں نے اُس دور میں مسلم سائنس کی مضبوط بنیاد قائم کی، جو صرف علم العلاج پر مبنی نہیں تھا۔یونان کی طرح مسلم دنیا میں بھی علمِ طب کی بنیاد چار عناصر والے نظریئے (اخلاطِ اربعہ) پر تھی، جسے دوسری صدی عیسوی کے یونانی طبیب جالینوس نے پیش کیا تھا۔جب بدن میں چاروں اخلاط تناسب کے ساتھ موجود ہوں گے تو آدمی تندرست ہوگا اور جب طبعی تناسب سے باہر ہوں گے تو وہ بیمار ہوگا۔جالینوس لکھتا ہے کہ معالج کی ذمہ داری ان اخلاط کے توازن کو غذا، ورزش اور جسمی سرگرمیوں یا دیگر اقدامات کے ذریعے بحال کرنا ہے۔مثال کے طور پر بخار، خون کی کثرت کے سبب لاحق ہوتا ہے، اس کے لیے وہ فصد تجویز کرتا ہے، تاکہ خون کی زیادتی رک جائے۔

تاہم جالینوس کے صحت اور امراض کے بارے میں عقلی تناظر نے مشرق میں غلط طور پر اپنی جگہ بنالی، جبکہ قرآن کریم میں یہ یقین دہانی موجود تھی کہ''ہر بیماری کے لیے علاج ہے۔(جس یقین دہانی کے بارے میں مضمون نگار(ڈیویڈ ڈبلیوشانز) نے اپنے اس مضمون میں ذکر کیا ہے وہ صراحت کے ساتھ احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے۔مترجم)

مسلمان معالجین اپنے آپ کو علاج کرنے والے اور صحت کا محافظ سمجھتے تھے، نہ کہ امراض کو مافوق الفطرت ہستی کے اسباب کا نتیجہ۔اس وقت جبکہ مترجمین، بیت الحکمت میں سخت محنت کر رہے تھے، مسلمان معالجین نے جدید ہسپتالوں کی ابتدائی شکل''بیمارستان'' کو ترقی دی جو بعدازاں صرف''مارستان'' کہلایا جانے لگا، جس کے دروازے سب کے لیے بلاتفریق کھلے رہتے، جس میں بیماروں کو علاج کے لیے خوش آمدید کہا جاتا اور چھوٹی موٹی تکالیف، زخموں اور ذہنی امراض سے نجات دلائی جاتی تھی۔ بڑے بڑے''مارستان'' طبی کالجوں اور کتب خانوں سے ملحق ہوتے تھے جہاں نامور معالجین پڑھاتے، تشخیص کرتے اور آج کل کی طرح پریکٹس کی اجازت دیتے تھے۔ہسپتالوں کی طرح علم الادویہ کو بطور پیشہ متعارف کروانا بھی اسلامی ایجاد ہے۔مارستان میں تربیت یافتہ ماہرین، ادویات کی تیاری اور تجویز، ماضی کی نسبت بہتر انداز میں کرتے، ان کے فارماکوپیا (قرابادین) میں ہر چیز کی جغرافیائی نوعیت، طبعی خواص اور جن امراض کے استعمال میں وہ برتے جاتے ہیں، تفصیلی طور پر موجود ہے۔

مامون کے عہد تک اطباء کی طرح ادویہ سازوں سے بھی امتحان لے کر دواسازی کی اجازت دی جانے لگی اور عوام کو غلطی اور نقصان سے بچانے کے لیے سرکاری انسپکٹر دواسازوں کے مرہموں، گولیوں، شربتوں، مربوں، ٹنکچروں، شافوں اور inhalants کی نگرانی کرتے تھے۔مارستان میں دواسازی کے شعبے کا سربراہ علاج کے شعبے کے برابر عہدے کا حامل ہوتا تھا۔عباسی خلفاء، بیت الحکمت اور ابتدائی بیمارستانوں (اسپتالوں) کے ساتھ ساتھ اسلامی طریقۂ علاج کے سنہرے دور کی ابتدا

کر چکے تھے۔علم کا مرکز اور ترقی کا سفر آٹھویں صدی عیسوی میں مغرب کی جانب جو آج کل جنوبی اسپین اور اس وقت اَندلس کہلاتا تھا،کو منتقل ہونا شروع ہو گیا تھا۔عباسیوں نے اقتدار،دمشق کے حکمران خاندان بنواُمیہ سے حاصل کیا تھا۔

۷۵۸ءمیں بنواُمیہ کے دسویں خلیفہ کا پوتا عبدالرحمن اپنے رشتہ داروں کے قتل عام کے وقت فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور اسپین میں پناہ حاصل کر لی،چند سالوں میں یہ اپنے دارالحکومت قرطبہ میں بنوعباس کے مقابلے میں ایک متوازی خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔دسویں صدی عیسوی کے آخر تک قرطبہ علمی اور سائنسی سرگرمیوں میں بغداد کو پیچھے چھوڑ گیا۔قرطبہ کی ستر لائبریریاں،نوسوعوامی حمام،تین سو مساجد اور پچاس ہسپتال اس کے لاکھوں باشندگان کے لیے ہر وقت کھلے رہتے۔اولین علمی مرکز قرطبہ یونیورسٹی کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں رکھی گئی اور اس کی لائبریری میں کم از کم دولاکھ پچیس ہزار کتابوں کی جلدیں موجود تھیں(یادرہے کہ اس وقت یونیورسٹی آف پیرس کی لائبریری میں کتابوں کی چارسوجلدیں تھیں)۔اس علمی ذخیرے نے پورے یورپ سے علم وہنر کے دلدادوں کو اپنی طرف متوجہ کیا،جن میں فرانس کے گربرٹ (Gerbert) جو بعد میں کلیسا کا اسقفِ اعظم قرار پایا اور سلویسٹر دوم (Sylvester ii) کے نام سے شہرت پائی' بھی شامل تھا۔اسی سلویسٹر دوم نے پیچیدہ رومن اعداد کی بجائے عربی اعداد کو رواج دیا۔اندلس جلد ہی تخلیقی اور ہنر مند فلسفیوں،جغرافیہ دانوں،انجینئروں،ماہرینِ تعمیرات اور ڈاکٹروں کا مرکز بن گیا۔مغربی خلافت میں،معالجین اپنے ان ہم منصبوں سے جو مشرقی خلافت میں موجود تھے،امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔اگرچہ قرطبہ اور بغداد تعقّل میں ایک دوسرے سے قریب تھے،لیکن مغربی خلافت کے معالجین نے یونان سے بندھے مشرقی خلافت کے معالجین کی نسبت زیادہ فکری آزادی کا مظاہرہ کیا۔انہوں نے جالینوس کی اندھی تقلید کی اور نہ ہی ابن سینا کی۔اگرچہ ابن سینا کا رتبہ عرب دنیا میں ارسطو اور لیونارڈو کے برابر تھا۔اس کی بجائے انہوں نے جب کسی چیز کو اپنے تجربات میں درست پایا تو ان دونوں (جالینوس اور ابن سینا) کے نظریات کو للکارا یا مسترد کر دیا۔ان کی تحریروں اور تحقیقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلیغ مختصر اور ٹھیک ٹھیک عقلی موازنہ کرنے والے،اکثر علمی تحقیق میں بال کی کھال اُتارنے والے اور باریک بین تھے۔مغربی اسلامی دنیا نے نویں اور پندرہویں صدی عیسوی کے درمیان،دقتِ نظر کے حامل سینکڑوں طبی ماہرین پیدا کیے،ان میں سے پانچ طبی ماہرین اپنے دور کے علم طب کے مینار تھے اور ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کے طبی اثرات آج محسوس کیے جاتے ہیں۔

ا:سرجری(جراحت) کا باوا آدم ابوالقاسم خلف ابن العباس جو اپنے ہم عصروں میں''الزہراوی''کے نام سے معروف ہے،عبدالرحمٰن سوم کے دارالحکومت قرطبہ کے شمال میں شاہی شہرالزہرا میں ۹۳۸ءمیں پیدا ہوا۔لاطینی میں اسے Albucasis کے نام سے پکارا جاتا ہے۔اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت ہی کم معلومات موجود ہیں،لیکن اس کی جراحتی (سرجیکل) مہارت بے مثال تھی۔الزہراوی نے صرف ایک کتاب چھوڑی ہے جس کا نام "التصریف لمن عجز عن التالیف" ہے۔اس کتاب کے نام کا ترجمہ یوں کیا جاسکتا ہے:''اس شخص کے لیے علم طب کی موزوں ترتیب جو اپنے لیے کوئی کتاب تالیف نہ کر سکتا ہو''اس نے اپنے پچاس سالہ پیشہ وارانہ عہد میں تیس جلدوں پر مشتمل ایسا جامع مجموعہ تیار کیا ہے،جس میں طب،جراحت،علم الادویہ اور صحت سے متعلق دوسرے موضوعات موجود ہیں۔اس کتاب کی آخری جلد جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے،صرف سرجری

سے متعلق ہے اور یہ پہلی کتاب تھی جو علم جراحت کو باتصویر اور علیحدہ مضمون کے طور پر پیش کرتی تھی۔

اس میں علمِ امراضِ چشم (ophthalmology)، بچہ جنائی کا فن (obstetrics)، علمِ امراضِ نسواں (gynecology)، میدانِ جنگ میں کام آنے والی ادویات (medicine military) علم البول (urology)، علمِ تقویم الاعضاء (orthopedics) وغیرہ۔ یہ کتاب سولہویں صدی عیسوی تک یورپ میں علمِ جراحت کے موضوع پر حوالے کی کتاب (ریفرنس بک) سمجھی جاتی رہی۔ الزہراوی نے بے شمار جراحتی طریقوں کی ایک فہرست دی ہے، جس میں سرجیکل ایجادات، تکنیکیں جس میں thyroidectomy (غدہ درقیہ کی سرجری)، آپریشن کے ذریعے آنکھ کا موتیا نکالنا اور ایک جدید طریقے سے گردوں کی پتھریوں کا رخ امعائے مستقیم کے طرف پھیرتے ہوئے نکالنے کا عمل شامل ہے، جو جالینوس کے تجویز کردہ طریقہ کی نسبت آپریشن کے دوران شرح اموات میں ڈرامائی کمی لاتا تھا۔ ''التصریف'' وہ پہلی کتاب تھی جس میں دانتوں کی جراحت کے متعلق تفصیلی بحث تھی۔ اس میں نکالے ہوئے دانت کی دوبارہ تنصیب بھی شامل تھی اور اس میں حیوانی ہڈیوں سے مصنوعی دانتوں کی تراش کا تذکرہ بھی تھا۔ کس طرح بدوضع دانتوں کو خوبصورت بنایا جاتا ہے؟ آج کے ماہرینِ دندان، دانت کی سطح پر بننے والی تہہ کو دور کرنے کے لیے جو طریقہ کار اختیار کرتے ہیں، وہ سب سے پہلے الزہراوی نے تفصیلاً بیان کیا تھا۔ آج عالمی طور پر یہ طریقہ معیاری جانا جاتا ہے کہ آپریشن سے قبل مریض کی جلد پر شگاف ڈالنے کے لیے سیاہی استعمال کی جاتی ہے، اس طریقہ کا موجد الزہراوی ہے۔ اس نے سب سے پہلے اندرونی زخموں کو سینے کے لیے، سرجری میں catgut (زخم کو سینے کا ایک مخصوص دھاگہ) استعمال کیا۔

۲: اشبیلیہ کا طبیب اس مضمون کی ابتدا میں جس طبیب کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس نے سڑک کے کنارے ایک غریب مریض کا معائنہ کر کے اس کا علاج کیا تھا، وہ اشبیلیہ کا طبیب ابومروان عبدالملک ابن زہر تھا۔ لاطینی میں ''Avenzoar'' کے نام سے معروف ہے۔ ۱۰۹۱ء کو اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ بنوزہر (اندلس کے معروف طبیب خانوادے کا نام) میں علمِ طب سات پشتوں تک جاری رہا اور ابومروان ابن زہر بھی اس خاندان کی تیسری پشت سے تعلق رکھتے تھے اور پانچ اس کے بعد پیدا ہوئے۔ اس لیے ابن زہر کے پیشے کے متعلق کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ وہ طب کے علاوہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرتا۔ ابن زہر نے متقدمین اطباء کی نری تقلید نہیں کی، بلکہ وہ پہلا مسلمان طبیب تھا جس نے اپنے آپ کو علمِ علاج کے لیے وقف کیا۔ اس کی کتابوں میں، اس کی کئی بڑی دریافتیں درج ہیں، جیسے: ''التیسیر فی المداواۃ والتدبیر'' (practical Manual of Treatments Diets)، علم نفسیات پر ایک رسالہ جس کے نام کا ترجمہ اعضاء اور ارواح کی اصلاح کے متعلق ایک معتدل راستہ تجویز کرتا ہے اور ''کتاب الأغذیة'' نامی ایک کتاب جو صحت پر پرہیزی غذاؤں، مشروبات اور مسالوں کے اثرات کو بیان کرتی ہے۔

اس کی دریافتوں میں ایک چھوٹا سا لیکن مؤثر کارنامہ اس امر کا ثبوت پہنچانا تھا کہ خارش کا سبب چھوٹے کیڑے ہیں، جو مریض کے بدن سے بغیر جلاب یا فصد کے ختم کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح ان کیڑوں کو کسی بھی دوسرے ایسے (اذیت ناک) طریقۂ علاج کے بغیر ختم کیا جاسکتا ہے، جس کا تعلق اخلاطِ اربعہ کے نظریہ سے ہو۔ جس میڈیکل سائنس نے جالینوس اور ابن سینا پر اندھا اعتماد کیا تھا، ابن زہر کی مذکورہ دریافت نے اس پوری میڈیکل سائنس پر لرزہ طاری کیا اور نظریۂ اخلاط پر غیر متزلزل یقین سے

بھی نجات دلائی۔ ابن زہر نے یہ بھی لکھا کہ کس طرح غذا اور طرزِ حیات سے گردے کی پتھری بننے کے عمل کو روکا جاسکتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے اعصابی امراض کو درست طور پر تفصیلاً بیان کیا، جیسے سرسام، کھوپڑی کے اندر کسی نالی کا ورم، جس کے ساتھ خون کی رکاوٹ بھی ہو، حجابی رسولیاں۔ اسی طرح اس کی کچھ جدید دریافتوں نے جدید علم الادویہ کے ایسے شعبے کی بنیاد ڈالی جو اعصاب کے مخصوص امراض اور ادویات (Neuropharmacology) پر مشتمل ہے۔

اس نے سب سے پہلے بڑی آنت کے سرطان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ ابن زہر ہی وہ پہلا طبیب ہے جس نے نرخرے یا ورید کے ذریعے خوراک کی فراہمی کی وضاحت کی، جب مریض کو نارمل طریقے سے خوراک کی فراہمی ممکن نہ ہو۔ یہ تکنیک آج بھی "Parental Feeding" کے نام سے معروف ہے۔ ابن زہر نے سرجری میں تجرباتی طریقہ متعارف کرایا۔ وہ جانوروں کے مردہ اجسام کو تجربات کے لیے بروئے کار لاتا تھا، جیسے بکری کے مردہ جسم کو وہ اس طریقۂ کار کے لیے استعمال کرتے تھے، جو اس نے ہوا کی نالی سرجری کے لیے دریافت کیا تھا۔ اپنی طبی تحقیق کے دوران، اس نے بھیڑ پر پوسٹ مارٹم کا عمل بھی انجام دیا، تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ زخم خوردہ پھیپھڑوں کی بیماریوں کا علاج کس طرح کیا جائے۔ ابن زہر پہلا طبیب معلوم ہوتا ہے جس نے انسانی لاش کا پس از مرگ معائنہ کرنے کے لیے اس کی چیر پھاڑ کی، تاکہ اپنے جراحتی طریقوں کی سمجھ بوجھ میں اضافہ کر سکے۔

ابن زہر نے سرجری کو بالکل ایک علیحدہ شعبہ بنایا اور اس کے لیے ایک نصاب مقرر کیا، بالخصوص مستقبل کے سرجنوں کے لیے جنہیں پریکٹس کی اجازت سے پہلے اس نصاب کی تکمیل لازمی تھی۔ اس نے عام طبیب اور سرجن دونوں کے دائرۂ عمل کے درمیان ایک سرخ علامتی خطِ امتیاز کھینچا کہ ایک عام طبیب کو جراحتی کیفیت میں علاج سے دستبردار ہونا چاہیے اور اسی طرح سرجری کو ایک مخصوص طبی میدان قرار دیا۔ وہ ان اولین معالجین میں سے ہے جس نے مصنوعی بے ہوشی کا استعمال کیا۔ سینکڑوں آپریشنوں میں اس نے بھنگ، افیون اور اجوائن خراسانی کے مکسچر میں لتھڑی ہوئی روئی کو مریض کے چہرے پر رکھا۔ (مسلمان اطبا تکریمِ انسانیت کے قائل تھے اور ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام کے عہدِ زریں میں انسانی لاش کی چیر پھاڑ کا کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا۔ ابن ابی اصیبعہ کی تاریخ الاطباء اور اطباء کی سوانح پر مشتمل تاریخ کی دیگر کتابوں میں ابن زہر کے متعلق اس امر کا ثبوت مترجم کو نہیں ملا کہ اس نے تشریح کے لیے انسانی لاش کی چیر پھاڑ کی ہو۔ غالباً ڈاکٹر حمید اللہؒ (پیرس) کے مجموعہ مکاتیب میں انہوں نے ایک اہلِ علم سے یہ استفسار بھی کیا ہے کہ مسلم ماہرینِ تشریح نے اگر انسانی لاش کی تشریح کی ہے تو اس کا حوالہ مہیا کیجیے۔ از مترجم)

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس کی بیٹی اور نواسی دونوں نے طبی علوم حاصل کیے۔ اس امر کو دیکھتے ہوئے، اُسے عورتوں کو طبی تعلیم دینے کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ ان عورتوں کی طبی تعلیم صرف دایہ گیری تک محدود تھی، لیکن ان عورتوں نے ایک ایسی روایت کی بنیاد رکھی کہ جدید مغرب کے مقابلے میں مسلمان عورتیں مسلم دنیا میں سات سو سال پہلے طب کی تعلیم حاصل کرتی رہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں پہلی امریکی خاتون نے جوہان ہاپکنز یونیورسٹی سے اس واقعے کے سات سو سال بعد میڈیکل کی تعلیم مکمل کی۔ (جاری)

شکیلیوں کے بے تُکے سوالات کا اجمالی جائزہ

(دوسری و آخری قسط) مفتی محمد اکمل یزدانی

سوال-۲- مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا، یہ کس حدیث میں ہے؟

جواب- حدیث: ''یو اطی اسمہٗ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی'' (ابوداود) ترجمہ: مہدی کا نام ہو بہو میرے نام ''محمد'' اور مہدی کے باپ کا نام ہو بہو میرے باپ کا نام ہوگا، یعنی ''عبداللہ''۔ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت مہدی کا نام ''محمد بن عبداللہ'' ہوگا۔ اسی حدیث سے شکیل بن حنیف نے بھی اپنے آپ کو محمد بن عبداللہ ہی مانا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ اس نے نام میں یہ تحریف کی ہے کہ نام میں صرف لفظ ''محمد'' ہونا ہی کافی بتایا ہے اور باپ کے نام میں عبداللہ ضروری نہیں ''حنیف'' ہونا ہی کافی ہے، اور دلیل یہ دی کہ حضور ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا باپ کہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا اصل نام بھی مراد نہیں؛ بلکہ ان کا صفاتی نام حنیف مراد ہے۔ (مہدی علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئیاں ص:43)۔

کتنی بھونڈی تاویل ہے کہ اس صورت میں تو دنیا کے سبھی لوگ مہدی بن جائیں گے۔ کیونکہ لفظ ''محمد'' تو نسبتاً زیادہ تر مسلمانوں کے نام کے شروع میں لگتا ہی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہو۔ (انتم علی ملۃ ابیکم) اس میں ابراہیم علیہ السلام کو پوری امت کا باپ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا سارے مسلمانوں کے نام کے شروع میں لفظ ''محمد'' اور سبھوں کے روحانی باپ حضرت ''ابراہیم'' ہونے کی وجہ سے محمد کے والد ابراہیمؑ یعنی عبداللہ ہو گئے۔ تو گویا پوری امت کے مسلمان محمد بن عبداللہ بن گئے۔ لہٰذا پوری امت مہدی کہلانے کی مستحق ہے، اس میں شکیل بن حنیف کی کیا تخصیص ہے۔ جب کہ ''کتاب الفتن''، لنعیم ابن حماد متوفی ۲۲۸ھ کی حدیث نمبر: ۱۰۷۸ میں مہدی کے نام کی تشریح موجود ہے: ''عن کعبٍ قال اسم المھدی محمد او قال اسم نبی''۔ (ترجمہ: حضرت کعبؓ سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ مہدی کا نام محمد ہوگا یا کہا کہ نبی کے نام پر یعنی محمد ہوگا۔) اور حقیقت یہ ہے کہ شکیل خاں کے نام کے شروع میں نہ لفظ ''محمد'' ہے اور نہ احمد؛ بلکہ اس کے نام کے اخیر میں احمد ہے اور اگر لفظ ''محمد'' ہے بھی تو وہ اپنے نام کے شروع میں صرف ''Md'' لکھتا ہے، جیسا کہ اس کے سرکاری ووٹر آئی ڈی نمبر: IML043621/ میں موجود ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ''لا المھدی الا عیسی ابن مریم'' مولفہ مولانا شاہ عالم گورکھپوری)

شکیلیوں سے مطالبہ: جس طرح شکیلی پیروکار علمائے حق سے حضرت مہدی کے نام کے بارے میں ''محمد بن عبداللہ'' ہونے کی صراحت حدیث سے مانگ رہے ہیں، تو کیا کوئی شکیلی پیروکار اپنے حضرت جی کے نام و کنیت ''شکیل بن حنیف'' کی صراحت کسی حدیث یا کسی امام ہی کے قول سے پیش کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کر سکتے! تو ایسی بے تکی مانگ کا حق انھیں کس نے دیا ہے؟ جب کہ حدیث میں مہدی کے نام کی صراحت بھی موجود ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔

سوال-۳۔ جب مہدی دنیا میں آئیں گے، نبیوں والے طریقے سے دین کا کام کریں گے یا کوئی مدرسہ کھولیں گے یا کوئی خانقاہ کھولیں گے، یا جماعت اسلامی میں ہونگے یا اہل حدیث میں ہونگے، یا بریلوی ہونگے یا کس مسلک سے ہونگے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں؟

جواب: جب حضرت مہدی دنیا میں تشریف لائیں گے، وہ دور اُس وقت کا سب سے بُرا دور ہوگا۔ پوری دنیا ظلم وستم اور ناانصافی سے بھر چکی ہوگی۔ حضرت مہدی اپنی ایمانی فراست اور غیر معمولی صلاحیت کے ذریعہ دنیا سے ظلم وستم کو مٹائیں گے اور پھر دنیا عدل وانصاف سے اسی طرح بھر جائیگی، جس طرح وہ ظلم وستم سے پہلے بھری ہوئی تھی۔ حدیث میں ہے: ''**عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو لم یبق من الدھر الا یوم لبعث اللہ رجلاً من اھل بیتی یملأھا قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً**''۔رواہ ابوداؤد۔

حضرت مہدی خلیفہ راشد کے طور پر دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے، جس طرح کام کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے، قرآن وحدیث کی روشنی میں کریں گے۔ احادیث میں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے جس کے بارے میں سائل نے بغرض عناد دریافت کیا ہے، اور نہ ہی اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد سوال میں پوچھی گئی باتوں کا دعویدار ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت جس طریق سے بھی آگے امت تک پہونچی ہے وہ سب نہج نبوت ہے۔

اسلام جب تیزی سے دنیا کی چاروں سمت میں پھیلا، تو صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور سلف صالحینؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشاء کے مطابق دین کی ترویج واشاعت کے اقدامات کیے۔ صحابہؓ میں علماء صحابہ بھی تھے، جن سے حضور علیہ السلام کی موجودگی ہی میں مسائل دریافت کیے جاتے تھے اور دور خیر القرون میں تو تحریر وتقریر اور اصلاحی نظام کے لیے مستقل کام کیے جاتے رہے۔ بعض نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، بعض نے میدان تحریر کو اپنا کام بنایا۔ بعثت رسولؐ کے چاروں مقاصد، تلاوت قرآن، تعلیم قرآن، تعلیم حکمت (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت) اور تزکیۂ نفس پر مستقل طور پر رجال کار تیار ہوئے، جنہوں نے احادیث کی تخریج وتصحیح، قرآن وحدیث سے فقہی مسائل کے استخراج واستنباط کے کام کیے۔ اگر یہ کام نہج نبوت سے ہٹ کر ہوتے تو ہمارے پاس دین وشریعت کا جو بھی ماخذ موجود ہے اُس سے محرومی ہو جاتی۔ لہٰذا مدارس اسلامیہ، یا خانقاہی نظام کو نہج نبوت سے ہٹ کر ماننا کھلی گمراہی ہے۔ دراصل حضرت مہدی کو امت محمدیہ کی خلافت کے لیے جو امور درکار ہوں گے وہ قرآن وسنت سے حاصل کریں گے۔ اور شکیل خاں بن حنیف خاں کے پاس تو امت کی رہبری کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے یہودی سازش کے شکار ہونے کے۔ لہٰذا شکیل بن حنیف ''خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے'' کا مصداق ہے۔

سوال-۴۔ کیا مسلمان مہدی کی مخالفت کریں گے، اگر ہاں تو کون سے مسلمان ہوں گے، جو مہدی کی مخالفت کریں گے۔ اس کو تکلیف دیں گے، جلاوطن کریں گے اور اس کے خلاف لشکر لے کر چلیں گے۔

جواب: مسلمان حضرت مہدی کی مخالفت بالکل نہیں کریں گے۔ میری نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گذری جس

میں یہ آیا ہو کہ مسلمان حضرت مہدی کی مخالفت کریں گے اور ان کو تکلیف دیں گے۔ شکیل بن حنیف نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر: ۶۰ / پر لکھا ہی: ''اس طرح حدیث نمبر: ۲۸ / اور: ۲۹ / کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شروع میں مہدی علیہ السلام کے دشمن اکثر وہی لوگ ہونگے جو خود کو مسلمان کہلاتے ہوں گے''۔

گویا جناب کو بھی اس بات میں تذبذب ہے؛ جب کہ مذکورہ دونوں حدیثوں میں کہیں ایسا ذکر نہیں ہے کہ مہدی کی مخالفت مسلمان کریں گے۔ ان کا یہ دعویٰ سراپا جھوٹ ہے۔ مہدی کی مخالفت میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو ظاہر میں مسلمان نظر آرہے ہوں گے؛ جب کہ باطن میں وہ فکری ارتداد کے شکار ہونے کی وجہ سے اسلام سے خارج ہونگے۔ جیسا کہ آج کے موجودہ دور میں شکیلی پیروکار ظاہر میں اسلامی لباس میں اور ظاہری اسلامی وضع قطع کے باوجود فکری ارتداد کا شکار ہونے کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک بالاتفاق خارج از اسلام ہیں۔

سوال-۵۔ مہدی اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کریں گے۔ یہ کس حدیث میں ہے؟

جواب۔ حدیث میں ہے: ''یکون اختلاف عند موت خلیفة، فیخرج رجلٌ من اهل المدینة هاربًا الیٰ مکة فیاتیه ناسٌ من اهل مکة، فیخرجونه وهو کارهٌ فیبایعونه بین الرکن والمقام...'' الخ (ابوداؤد) [ترجمہ: ایک خلیفہ کی وفات کے وقت (نئے خلیفہ کے انتخاب پر مدینہ کے مسلمانوں میں) اختلاف ہوگا، ایک شخص (مہدی) اس خیال سے کہ کہیں لوگ مجھے نہ خلیفہ بنادیں) مدینہ سے مکہ چلے جائیں گے، مکہ کے کچھ لوگ (جو انھیں علامتوں سے بحیثیت مہدی کے پہچان لیں گے)، اُن کے پاس آئیں گے اور لوگ اُن کو نکلنے پر آمادہ کریں گے اور اُن سے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت (خلافت) لیں گے۔] اسی حدیث میں ''وهو کارهٌ'' کا لفظ بتارہا ہے کہ حضرت مہدی اس عمل سے خوش نہیں ہوں گے؛ بلکہ بادل ناخواستہ اسے قبول فرمائیں گے۔ یہ حضرت مہدی کے اپنی مہدویت کا دعوی نہ کرنے کا بیّن ثبوت ہے۔

سوال-۶۔ کیا مہدی مدینہ منورہ میں پیدا ہونگے؟

جواب: جی ہاں! حضرت مہدی حضور ﷺ کی ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہی میں پیدا ہوں گے۔ حضور ﷺ نے حضرت مہدی کی جائے پیدائش کے بارے میں فرمایا: ''مولده المدینة'' (کتاب الفتن) چنانچہ حدیث میں ''المدینة'' لفظ آیا ہے اور مدینہ سے خاص مدینہ منورہ ہی مراد ہے، چونکہ مدینہ کے شروع میں ''ال'' لگا ہوا ہے، جو تخصیص کے لیے آتا ہے، جیسے Cow کا مطلب کوئی بھی گائے، لیکن جب The Cow کہا جائے تو اس سے مخصوص گائے ہی مراد ہوتی ہے۔ ورنہ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مہدی کسی گاؤں میں نہیں؛ بلکہ شہر میں پیدا ہوں گے، خواہ وہ شہر دہلی ہو یا پنجاب یا دربھنگہ یا بھوپال وغیرہ کوئی بھی شہر ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ المدینة سے شہر دہلی مراد لینا یہ شکیل اور شکیلی پیروکاروں کے علوم نبویہ سے ناواقف اور نابلد ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شکیل بن حنیف اور اس کے پیروکار علوم نبویہ سے بالکل ہی واقف نہیں ہیں، یہ قادیانیوں اور دیگر فرق باطلہ

اور گمراہ عقائد کے لوگوں کی کتابوں سے چرائے ہوئے اور ان کے ایجنٹ کے طور پر کام کرنے والے ظاہر میں سیدھے سادے؛ مگر مکار اور پرفریب اور دھوکہ باز لوگ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث اور دیگر آثار صحابہ میں جہاں کہیں بھی لفظ ''المدینة'' الف لام کے ساتھ آئے اور اس کے بعد لفظ ''مکہ'' بھی تو وہاں لفظ ''المدینة'' سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہی مراد ہوتا ہے۔ اس کے خلاف ان شاء اللہ قیامت کی صبح تک شکیل بن حنیف اور دیگر فرق باطلہ کے پیروکار ثابت نہیں کر سکتے۔

سوال-۷: قیامت کی دس بڑی نشانیوں میں مہدی کا ذکر کیوں نہیں ہے؛ جب کہ زمین کے تین مقامات پر دھنسنے کا الگ الگ ذکر ہے؟

جواب:۔ یہ سوال کوئی نیا نہیں ہے، ہر دور میں فرق باطلہ نے اس طرح کے سوالات اٹھائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف صحابہؓ کے سامنے ان کے احوال وکوائف کو مدنظر رکھ کر مختلف باتیں اپنے رب کے حکم سے بیان فرمائی ہیں۔ بعض مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کے سامنے اجمالاً بیان فرمائیں اور بعض صحابہؓ کے سامنے تفصیلی طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مضمون سے متعلق بعض صحابہ سے روایت ذرا مختصر ہے اور بعض صحابہ سے ذرا طویل، جیسا کہ حدیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں امام بخاری نے جو روایت بیان فرمائی، اس میں ذرا اجمال ہے اور ''من السماء'' کا لفظ اس میں نہیں ہے، جب کہ امام بیہقی کی روایت میں ذرا تفصیل ہے جس میں ''من السماء'' کی تصریح موجود ہے۔ جس میں امام بیہقی نے تصریح بھی کر دی ہے کہ امام بخاری کے ذریعہ منقول روایت میں نزول سے مراد آسمان میں اٹھائے جانے کے بعد آسمان سے ہی اترنا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی بڑی علامتیں کبھی دس بتائیں ہیں، تو کہیں دس سے کم اور کہیں دس سے بھی زیادہ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ظہور مہدی کی اتنی بڑی علامت کو مذکورہ دس علامتوں میں شامل کیوں نہیں کیا گیا، یہ ایک بچکانہ حرکت ہے۔

دراصل ظہور مہدی کی علامت، علامت متوسطہ میں سے ہے، جو علامت کبریٰ سے پہلے وجود میں آئیگی، جب کہ ظہور مہدی کا ثبوت حسن اور ضعیف روایتوں کو چھوڑ کر، تقریباً پچاس احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جن کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے ''الخلیفة المھدی فی الاحادیث الصحیحة''، میں جمع فرمادیا ہے، تو محض اس وجہ سے کہ قیامت کی دس علامتوں میں علامتِ ظہور مہدی کو کیوں نہیں بیان کیا گیا اور اس کو وجہ مان کر ظہور مہدی کا انکار کر دینا، بڑی کم علمی اور بد دیانتی کی بات ہے؛ چوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری منشاء کے مطابق کسی بات کو بیان کرنے کے لیے پابند نہیں ہیں؛ بلکہ قرآن کی زبانی ''مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَھَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا'' (کہ نبی تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اسے چھوڑ دو)۔ لہٰذا اگر حدیث حذیفہ میں ظہور مہدی کا بیان نہیں ہے تو اس مسئلہ میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ ظہور مہدی کا ثبوت سیکڑوں احادیث صحیحہ سے ہے۔ اسی وجہ سے ظہور مہدی کا عقیدہ اہل السنة والجماعة کے یہاں تواتر معنوی کی بنیاد پر ایک اجماعی عقیدہ ہے، جس کا منکر گمراہ ہے۔

چلو! تھوڑی دیر کے لیے (بالفرض) آپ کی بات مان لیتے ہیں کہ ظہور مہدی کی خاص اہمیت نہیں ہونے کی وجہ سے

قیامت کی دس بڑی علامتوں میں اس کو شامل نہیں کیا گیا ہے؛ مگر یہ تو آپ کے ہی خلاف جاتا ہے؛ چوں کہ شکیل بن حنیف کو عیسی ابن مریم منوانے کے لیے حدیث مہدی کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے۔ ورنہ قرآن وحدیث سے کوئی ایک حوالہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کے بارے میں پیش کردیجیے اور ایسا آپ ہرگز نہیں کرسکتے۔ آپ کو شکیل بن حنیف کو عیسی مہدی منوانے کے لیے ہر صورت میں عیسیٰ ابن مریم کو حدیث مہدی پر محمول کرکے عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کو ثابت کرنا پڑے، گا جیسا کہ شکیل بن حنیف نے اپنی کتاب ''سنبھلی کے اعتراضات کے جوابات'' (ص:29) میں یہ بات کہی ہے۔ لہٰذا ظہور مہدی کو قیامت کی دس بڑی علامتوں میں شامل نہیں کیے جانے سے حدیث مہدی سے اعتماد ہٹالینا بہت بڑی بھول ہے۔

سوال-۸: کیا حضرت مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں گے آیئے؟ آپ نماز پڑھایئے۔ یا نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت امیر یا امام ''مہدی'' ہوں گے، یہ کس حدیث میں آیا ہے؟

جواب: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فجر کے وقت، جب کہ نماز کے لیے اقامت کہی جارہی ہوگی آسمان سے نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی کی اقتداء میں نماز فجر ادا کریں گے۔ (مسلم) حدیث میں امام اور امیر سے مراد حضرت مہدی ہی ہیں؛ چنانچہ مصنف ابن عبدالرزاق میں: ''فیقولون له تقدم فیقول بل یصلی بکم امامکم... الخ۔ والی روایت کے بعد دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں ''اخبرنا عبدالرزاق عن معمر قال کان ابن سیرین یری انه المهدی الذی یصلی وراہ عیسی۔ (ص ۳۹۹ ج ۱۱ بحوالہ عقیدہ ظہور مہدی صف ۵۹-۶۰) یعنی عیسیٰ علیہ السلام جس امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے وہ امام مہدی ہوں گے۔

حدیث جابر میں ہے کہ: ''قال رسول الله ﷺ ینزل عیسی ابن مریم فیقول امیرهم المهدی تعال صلِّ لنا فیقول ان بعضکم علیٰ بعض اُمراء تکرمةَ الله لهذه الامة۔'' (الحاوی للسیوطی: ۲/۶۴ عن ابی نعیم) اس حدیث میں پیارے آقا ﷺ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم دمشق میں آسمان سے اتریں گے تو مسجد میں موجود لوگوں کے امیر حضرت مہدی، حضرت عیسی علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آئیں آپ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حدیث جابر میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں ''ینزل (عیسی ابن مریم) علی المهدی فیقال: تقدم یا نبی الله فصلِّ لنا... '' الخ۔ کہ حضرت عیسی ابن مریم حضرت مہدی کے سامنے اتریں گے، پھر عیسیٰ ابن مریم سے کہا جائے گا اے اللہ کے نبی آگے آئیں اور ہماری نماز پڑھائیں۔ (العرف الوردی للسیوطی: ۲:۸۳) بحوالہ: ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' ص:284)

اسی طرح کتاب الفتن لنعیم ابن حماد کی حدیث نمبر: ۱۱۰۳ر میں الفاظ اس طرح مذکور ہیں: ''قال: المهدی الذی ینزل علیه عیسیٰ ابن مریم، ویصلی خلفه عیسیٰ علیهما السلام''۔ اس حدیث میں مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو صاف صاف الگ الگ بیان کیا گیا ہے کہ مہدی امام ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریم ان کی اقتداء میں (نماز فجر) میں اقتداء فرمائیں گے۔ ظاہر ہے امام اور مقتدی دو الگ الگ شخصیت ہوتے ہیں نہ کہ ایک۔ لہٰذا حضرت مہدی الگ شخصیت ہیں اور حضرت

عیسیٰ ابن مریم بالکل الگ شخصیت۔ چنانچہ حضرت سدیؒ سے منقول ہے کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز کے وقت میں جمع ہوں گے؛ چنانچہ حضرت مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے (نماز کے لیے) آگے بڑھیں، تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ ہی آگے بڑھیں اس لیے کہ امامت کے آپ زیادہ مستحق ہے (چوں کہ تکبیر آپ کے لیے ہی کہی گئی ہے) چنانچہ حضرت عیسیٰ حضرت مہدی کے پیچھے مقتدی بن کر نماز ادا کریں گے۔ ''و روی عن السدی انہ قال: یجتمع المھدیٰ، وعیسی ابن مریم فی وقت الصلاۃ، فیقول المھدیٰ لعیسی: تقدم فیقول عیسی: انت اولی بالصلاۃ فیصلی عیسیٰ ورائہ ماموماً''۔ (عقد الدرر فی اخبار المنتظر۔ مؤلفہ یوسف بن یحیٰ متوفی 658ھ)

چنانچہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ایک وقت کی نماز حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد حضرت امام مہدی کے پیچھے ادا فرمائیں گے، اس کے بعد بقیہ نمازوں میں امامت حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی فرمائیں گے۔ کعب احبارؒ کی روایت میں ہے: ''قال: وتقام الصلاۃ فیرجع امام المسلمین المھدیٰ، فیقول عیسی: تقدم فلک اقیمت الصلاۃ۔ فیصلی بھم ذلک الرجل تلک الصلاۃ، ثم یکون عیسی اماماً بعد۔ اخرجہ الحافظ ابو عبد اللہ نعیم بن حماد، فی کتاب الفتن۔'' (عقد الدرر فی اخبار المنتظر۔ مؤلفہ یوسف بن یحیٰ متوفی 658ھ)

حدیث مسلم میں ہے ''قال امیرھم تعال صلِّ لنا'' اور مسند حافظ ابن ابی اسامہ تمیمی بغدادی (جو صحاح ستہ کے محدثین کی طرح تیسری صدی کے محدث ہیں)، میں ''قال امیرھم المھدی تعال صل لنا'' کی تصریح موجود ہے۔ اور محدثین کے اصول کے مطابق بعض روایت بعض دوسری روایت کی تصریح وتفسیر ہوا کرتی ہے؛ چنانچہ شکیل بن حنیف نے بھی اپنی کتاب ''امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئیاں'' میں مختلف مقامات پر ''رجل، امام، خلیفہ'' سے امام مہدی ہی مراد لیا ہے۔ جیسے: ۱۔ کتاب کے صفحہ نمبر: ۱۴، حدیث نمبر: ۲/(ب) کے تحت ''لآل محمد'' سے (مہدی) مراد لیا ہے۔ ۲۔ صفحہ نمبر: ۱۸/(ص) میں ''لرجل من امتی'' کے تحت رجل سے مہدی مراد لیا ہے۔ ۳۔ صفحہ: ۲۰ حدیث نمبر: ۱۰/ر کے تحت ''برجل من قریش'' سے (مہدی) مراد لیا ہے۔ ۴۔ صفحہ: ۳۵ حدیث نمبر: ۱۸/ر کے تحت ''فیخرج رجل من بنی ھاشم'' میں ''رجل'' سے مراد (مہدی) لیا ہے۔ ۵۔ صفحہ: ۷۰، حدیث نمبر: ۴۰ کے تحت ''فیفتح الکنوز'' کا ترجمہ کیا ہے کہ ''پس وہ (مہدیؑ) خزانوں کا منہ کھولے گا''۔

مذکورہ حوالہ جات کے تحت کوئی شکیل بن حنیف سے پوچھے کہ قوسین میں ''مہدی'' کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ تو ظاہر ہے کہ جواب یہی ہوگا کہ سیاق وسباق سے مہدی مراد لیا گیا ہے۔ یہی جواب علماء حق اہل السنۃ والجماعۃ کا بھی ہے؛ جب کہ دوسری روایت میں لفظ مہدی کی صراحت بھی موجود ہے۔ لہٰذا جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق میں اتریں گے اُس وقت امام حضرت محمد بن عبد اللہ المہدی ہی ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مہدی کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے۔ اس سے حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کا الگ الگ دو شخصیتیں ہونا بھی صاف ظاہر ہوتا ہے۔

سوال-۹۔کیا مہدی کے کندھے پر حضرت عیسیٰ ہاتھ رکھیں گے؟

جواب: جی ہاں! ابن ماجہ، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۴۰۷۷ر کی طویل روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ’’فیضع عیسیٰ یدہٗ علی کتفیہ‘‘ کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے (امام مہدی کے) دونوں کندھے پر رکھیں گے۔(حدیث ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خزیمہ)

سوال-۱۰۔کیا حضرت مہدی قسطنطنیہ فتح کریں گے؟

جواب: جی ہاں! حدیث معاذ بن جبل میں ہے کہ ’’الملحمۃ الکبریٰ، وفتح القسطنطنیۃ، وخروج دجال فی سبعۃ اشھر‘‘۔ جنگ عظیم، قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج تینوں چیزیں سات مہینے کے اندر ہوں گی۔(ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۰۹۲-المکتبۃ الشاملہ) اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب خروج المہدی کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ اور حدیث نمبر: ۴۰۹۴ر میں یہ بھی مذکور ہے کہ اہل روم اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوگی۔ اہل روم عہد شکنی کریں گے اور مسلمان فوج کے خلاف اسی (80) جھنڈوں کے ساتھ فوج لے کر آئیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی۔ ابن ماجہ کی روایت نمبر: 4093ر میں ہے کہ مسلمانوں کے محض تسبیح وتکبیر کے ذریعہ قسطنطنیہ فتح ہوجائے گا۔(ای فیفتتحون القسطنطینۃ بالتسبیح والتکبیر)۔

مسند احمد میں ہے ’’عمران بیت المقدس خراب یثرب، وخراب یثرب خروج الملحمۃ، وخروج الملحمۃ فتح القسطنطینیۃ، وفتح القسطنطینیۃ خروج الدجال) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیت المقدس کی آبادی، یثرب کی ویرانی کا، یثرب کی ویرانی، خون ریزی کا، اور خون ریزی، قسطنطنیہ کی فتح کا اور فتح قسطنطنیہ، دجال کے خروج کا پیش خیمہ ہوگا۔(مسند احمد روایت: 12417)

مسلم شریف کی روایت نمبر: 5421ر میں ہے ’’فیفتتحون قسطنطینیۃ‘‘ کہ حضرت مہدی اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ اسی روایت میں ہے ’’ولکن یقتلہ اللہ بیدہ فیریھم دمہ فی حربتہ‘‘ کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دجال کو قتل کرائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نیزے پر اس کا لگا ہوا خون دکھائیں گے۔ ترمذی شریف کے حوالہ سے مشکوٰۃ المصابیح روایت نمبر: 5436ر میں ہے: عن انس قال: فتح القسطنطینۃ مع قیام الساعۃ، رواہ الترمذی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: قسطنطنیہ کی فتح، قیامت کے ساتھ (یعنی قریب) ہوگی۔

مذکورہ روایتیں اس بات کو صاف واضح کرتی ہیں کہ قسطنطنیہ کو دوبارہ حضرت مہدی کے زمانہ میں محض تکبیر وتسبیح سے فتح کرلیا جائے گا جس کے چند ہی دن کے بعد دجال اکبر کا خروج ہوجائے گا۔(تلک عشرۃ کاملۃ)(ملخص از عقیدۂ ظہور مہدی ☆ نزول عیسیٰؑ اور شکیلیوں کے سوالات کے جوابات)

کارٹون اور ویڈیو گیم

ہماری نسلوں کے لیے مہلک زہر

جناب فیروز عبداللہ میمن

جب کوئی خط میں مجھ سے پوچھتا ہے کہ ہم ویڈیو گیم کھیل سکتے ہیں یا کارٹون دیکھ سکتے ہیں؟ تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے کیا بننا ہے؟ ان کا جواب آتا ہے کہ ہمیں اللہ والا بننا ہے۔ پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے کسی اللہ والے کو گیم کھیلتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا کبھی دیکھا ہے کہ مریدین شیخ کے انتظار میں ہوں اور وہ کہے کہ مجھے ابھی بیس ہزار کا اسکور پورا کرنے دو، پھر مجلس ہوگی؟! کارٹون کے بارے میں تو مفتی صاحبان کی طرف سے حرام کا فتویٰ ہے، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ میرے پاس موجود ہے، لیکن پھر بھی بعض لوگ اپنی اولاد کو کہتے ہیں کہ بیٹا! کارٹون دیکھتے رہو، مجھے تنگ مت کرو!۔

ویڈیو گیم کی تھوڑی سی بھی گنجائش دینے کا نقصان: ایک دوست ہیں جو عالم بھی ہیں، انہوں نے اپنے بچوں کو بیس منٹ ویڈیو گیم کھیلنے کی اجازت دے دی، میں نے انہیں سمجھایا کہ بیس منٹ میں ویڈیو گیم کون چھوڑتا ہے؟ آپ کے چار بچے ہیں، پہلے بچے کے بیس منٹ شروع ہوئے، تو باقی تین بچے وہیں بیٹھے ہوں گے، گیم کھیلنے کے دوران ماں بار بار آواز دے گی کہ بیٹا! کھانا کھا لو، بہت دیر ہوگئی ہے، ایسے وقت بچے کھانا کیوں کھائیں گے؟ ابھی اس کا چار ہزار اسکور ہوا ہے، جبکہ پہلے بچے کا آٹھ ہزار اسکور تھا، اسے یہ ریکارڈ توڑنا ہے، پھر کیا بیس منٹ میں وہ ایک ہی ویڈیو گیم کھیلے گا؟ پھر تین بچوں کے بیس بیس منٹ جمع کریں تو ساٹھ منٹ تو یہی ہوگئے، نماز کا وقت آئے گا تو نماز بھی نہیں پڑھیں گے، ماں باپ کسی کام کا کہیں گے تو کیا بچہ ویڈیو گیم کھیلنے کے دوران کوئی کام کرے گا؟ ان دوست نے یہ باتیں سن کر توبہ کی اور کہا: ان حالات میں تو ویڈیو گیم کھیلنے ہی نہیں دینا چاہیے۔

ساری رات جاگنا، سارا دن سونا، بچوں کو اسکول وغیرہ سے جو چھٹیاں ملتی ہیں، ایک ایک بچے کا انٹرویو لیں تو معلوم ہوگا کہ ساری رات جاگتے ہیں اور سارا دن سوتے ہیں، جب بچوں کے پاس موبائل ہوگا تو کیا وہ فحش گیم نہیں کھیلیں گے؟ جامعہ بنوری ٹاؤن سے گیمنگ زون کے بارے میں فتویٰ بھی آگیا ہے، میرے پاس بھی ہے۔ اس میں یہی خرابیاں لکھی ہیں کہ ویڈیو گیم کھیلنے میں نہ دین کا فائدہ ہے نہ دنیا کا، گیم کھیلنے کے دوران استنجا روکنا، نمازیں نہ پڑھنا، دماغ میں ہر وقت ویڈیو گیم کی چیزیں گھومنا۔ اس سے بہتر ہے کہ شرعی لباس میں فٹ بال کھیل لو، کرکٹ کھیل لو یا کوئی اور جائز کھیل کھیل لو، جس میں جسم کی ورزش بھی ہو، مگر ان خرافات کا کوئی فائدہ نہیں۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ بغیر تصویر والے کارٹون دیکھ سکتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ آج بچے یہ کارٹون دیکھیں گے، کل پھر تصویر والے کارٹون بھی دیکھیں گے، ان کو کیسے روکیں گے؟ کارٹون دیکھنے کے لیے گھر میں کمپیوٹر آئے گا، بڑا موبائل

آئے گا، جب آپ گھر پر موجود نا ہوئے تو پھر کیسے کنٹرول کریں گے؟ آپ اس کو الماری میں بند کر کے تو نہیں جائیں گے؟!
جب ہم آپ چھوٹے تھے تو اس وقت کیا یہ سب چیزیں تھیں؟ ہمارا آپ کا بچپن ان خرافات کے بغیر کیسے گزر گیا؟

ایک شہر سے فون آیا کہ ہمارے مدرسے میں آکر بیان کریں۔ ہم وہاں گئے، ارادہ تھا کہ پندرہ منٹ کچھ دین کی بات کریں گے، لیکن ایک گھنٹہ کا بیان ہوا۔ وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کے مہتمم صاحب نے بتایا کہ ہمارے مدرسہ کا نتیجہ دن بدن گرتا جا رہا ہے، بچے گھر جا کر ویڈیو گیم، کارٹون، فلموں میں لگ جاتے ہیں۔ اچھی بات ہے کہ مالداروں کے بچے بھی حفظ کر رہے ہیں، لیکن ان کو اسمارٹ فون، ٹی وی، لیپ ٹاپ سب کچھ دیا ہوا ہے، جس سے بچے تباہ ہو رہے ہیں۔ حفظِ قرآن میں سخت نقصان کا سبب جب دماغ میں موبائل ہوگا تو دل میں قرآن پاک کیسے آئے گا؟

آج کل بچے اس لیے حافظ جلدی نہیں بنتے یا اگر یاد کر بھی لیا تو بھول جاتے ہیں، اس کی بھی زیادہ وجہ یہی چیزیں ہیں کہ مدرسے سے آنے کے بعد ٹوپی پھینک کر گیم لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مدرسہ میں ہوتے ہوئے بھی دل و دماغ ویڈیو گیم میں ہوتا ہے، اب آپ ہی بتائیے! اس کو قرآن پاک کیسے یاد ہوگا؟ اس لیے حفاظ کو اس لعنت سے خاص طور پر دور رکھیں۔

ایسے والدین بھی ہیں جو اس دور میں بھی اپنی اولاد کو نیٹ، کارٹون اور ویڈیو گیم سے بچاتے ہیں، لیکن یہی بچے جب نانا، نانی کے گھر جاتے ہیں تو ایک ہی دن میں اتنے دنوں کی محنت برباد کر دیتے ہیں، ان بچوں پر شیطان کا حملہ زیادہ ہوتا ہے۔ باپ کا روتے ہوئے فون آتا ہے کہ میں نے بچوں کی تربیت میں اتنی محنت کی اور جب موقع آیا تو اس طرح ہوا۔ ان سے کہتا ہوں کہ مایوس نا ہوں، آج کے دور میں شیطان کے ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، آپ ننھیال میں کہہ دیں کہ ہم اس شرط پر ننھیال آئیں گے، جب یہ خرافات آپ بند کریں گے، ہمارے بچوں کا شدید نقصان ہوتا ہے۔ کئی گھروں میں خواتین نے ننھیال میں کہا تو ماشاءاللہ! اس پر عمل ہو رہا ہے، جب بیٹی ماں باپ کے گھر آتی ہے تو ان دنوں میں ٹی وی، ویڈیو گیم، کارٹون ہر چیز بند رکھتے ہیں۔

کارٹون اور ویڈیو گیم کے صحت پر مضر اثرات: ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے تو نہیں پیدا کیا کہ ہم کارٹون اور ویڈیو گیم میں لگے رہیں۔ آپ یہود و نصاریٰ کی ریسرچ دیکھ لیں کہ کارٹون اور ویڈیو گیم والے بچوں کی صحت کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ ان کے دماغ اور بینائی کا کیا حال ہے؟ ان کا وزن کیوں بڑھ رہا ہے؟ کھانا کیوں ہضم نہیں ہوتا؟ ان کا جسم پھول تو رہا ہے، مگر کمزور کیوں ہے؟ ان کی یادداشت کیوں متاثر ہو رہی ہے؟ جوانی میں ہارٹ اٹیک، برین ہیمبریج، جوڑوں کا درد، بلڈ پریشر کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ ہے کہ فلم، کارٹون، ویڈیو گیم میں لڑائی دیکھ رہے ہیں، لڑائی اور جوش والے گیم کی وجہ سے بلڈ سرکولیشن بڑھ جاتی ہے، دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، دل و دماغ پر دباؤ آجاتا ہے۔ ویڈیو گیم اور کارٹون وغیرہ کی وجہ سے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے ہمارے بچوں کی نقل و حرکت اور ورزش نہیں ہوتی اور ان کی جسمانی نشوونما شدید متاثر ہوتی ہے۔ پہلے بچے فٹ بال کھیلتے تھے، دوڑ لگاتے تھے جس سے ان کی صحت اچھی رہتی، اب تو بچے اور جوان سب مرجھا ہوئے پھول لگتے ہیں۔ بعض بچے کھانا نہیں کھاتے تو مائیں کارٹون دکھا کر کھلاتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر وہ اس کے عادی بن کر کارٹون دیکھے بغیر کھانا ہی نہیں کھاتے، اس کے علاوہ ضدی بن جاتے ہیں، اس لیے ہرگز ان کی یہ ضد پوری نہ کریں، چند دن تنگ

کریں گے،لیکن پھر یہ عادت چھوٹ جائے گی۔جس چیز سے شریعت نے منع کیا ہے،ہمارے فائدے کے لیے ہی منع کیا ہے۔

ڈراؤنی فلموں اور سنسنی خیز گیم کے نقصانات: آج کل بچے اکثر ڈر جاتے ہیں، رات کو روتے ہیں، کبھی ان کو کچھ نظر آتا ہے، کبھی کچھ، اگر غور کریں تو وجہ یہ نکلے گی کہ ہم نے ان سے رحمت اور حفاظت کے فرشتے خود بھگا دیئے ہیں۔ ویڈیو گیم، کارٹون میں لگا دیا، ان کو ہر چیز تصویر والی لا کر دی، بت نما کھلونے لائے، ان میں موسیقی بجتی ہے، ان سب چیزوں کے پاس تو سرکش شیاطین ہی جمع ہوتے ہیں جو بچوں کو تنگ کرتے ہیں۔ ڈراؤنی فلمیں، سنسنی خیز گیم، گندے مناظر، چڑیل اور جن وغیرہ کے ڈرامے دیکھتے ہیں، دیر تک جاگنے کی وجہ سے نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ ڈراؤنے مناظر بچوں اور خواتین کے لیے سخت نقصان دہ ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے اعصاب پہلے ہی کمزور ہوتے ہیں، ڈراؤنے مناظر ان کے دماغ پر سوار ہو جاتے ہیں۔ بچہ اگر بیمار ہو جاتا ہے تو صحت کے لیے خوب خرچہ کریں گے، لیکن اسمارٹ فون، کارٹون، ویڈیو گیم گھر سے ختم نہیں کریں گے، جبکہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہو، اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، پھر رب کی رحمت کیسے آئے گی؟

کارٹون بینی، ویڈیو گیم، کفّار کی سازش: مفتی محمد شہزاد شیخ نے ایک کتاب ''کارٹون بینی، ویڈیو گیم اور مسلمان بچے'' لکھی ہے۔ بہت اہم کتاب ہے۔ اس میں قرآن وحدیث سے دلائل دیئے ہیں کہ کارٹون حرام ہیں، پھر بتایا ہے کہ ہندوؤں کے بھگوان کرشنا اور ہنومان یہ کارٹون کے ذریعے مسلمان بچوں کے ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ ایسے واہیات کارٹون دیکھ کر ہمارے بچے آپس میں کھیلتے ہیں کہ میں کرشنا ہوں، ایک کہتا ہے میں ہنومان ہوں۔ مفتی صاحب نے اس کتاب میں چھ مختلف انداز کے کارٹون اس طرح چھاپے ہیں کہ ان کی تصویر سے چہرے مٹا دیئے ہیں، وہ چھ کارٹون سور کے ہیں۔ اس کے علاوہ بتایا ہے کہ کس طرح بچوں کے جومیٹری باکس، بستوں، شرٹوں اور ان کے جوتوں پر یہ سور بنے ہوئے ہیں۔ بچوں کو سور والے کارٹون دکھا رہے ہیں، اب بچے کو کیا معلوم کہ اس کارٹون میں جو ہیرو ہے وہ حرام جانور سور ہے۔ رفتہ رفتہ وہ ایسے ناپاک اور حرام جانور سے مانوس ہو رہے ہیں۔ اس پر بھی ہم سے کہا جاتا ہے کہ بچوں کو کارٹون دیکھنے سے کیوں منع کرتے ہو؟

ایمان کو خطرے میں ڈالنے والی ویڈیو گیم: اب ذرا دل تھام لیجیے! ایسے ویڈیو گیم بھی ہیں جن میں بیت اللہ کی تصویر پر، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر پر، فائرنگ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ نعوذ باللہ! بعض میں اللہ تعالیٰ کا نام اُلٹا لکھا ہوا ہے، کہیں آیات غلط لکھی ہوئی ہیں اور اس پر نعوذ باللہ! فائرنگ کی جا رہی ہے۔ ایک گیم تو ایسا ہے کہ اس میں ایک مسجد سے داڑھی والے نمازی باہر آ رہے ہیں، جن کو دہشت گرد دکھا کر ویڈیو گیم کھیلنے والا فائرنگ کرتا ہے۔ بعض گیم ایسے ہیں جس میں بت کو سجدہ کرنا پڑتا ہے، جس سے ایمان اور نکاح بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے، ان بتوں سے مانگنا پڑتا ہے، نیز ہندوؤں نے اپنے باطل خدا کرشنا، ہنومان وغیرہ کو کارٹون کی شکل میں پیش کیا ہے۔ بچوں کے بیگ، مگ وغیرہ پر ان کی تصویر ہوتی ہے، جس سے بچوں کو ان سے محبت ہو جاتی ہے۔ کفّار نے یہ محنت اس لیے کی تا کہ مسلمان بچوں کے دلوں سے ان چیزوں کی نفرت ختم ہو جائے۔ سور کی شکل والے یہ کھلونے، کتابیں کون چھاپ رہا ہے؟ ہم مسلمان چھاپ رہے ہیں، اللہ سے ڈرنا چاہیے، گناہ میں تعاون بہت خطرناک ہے۔

بچوں کی مار دھاڑ کا اہم سبب: پھر مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ''ٹام اینڈ جیری'' کارٹون کی وجہ سے بچے گھر کی چیزوں کو

پھینک رہے ہیں، ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، کارٹون میں جو دیکھ رہے ہیں، وہی ان کے دماغ میں بھر رہا ہے، جیسا ان کارٹونوں میں شرارتیں دکھائی جاتی ہیں، ویسا ہی گھر میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح ''سپر مین'' کارٹون کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بغیر سہارے کے دیوار پر چڑھ جاتا ہے اور بچے اس کی نقل کرتے ہیں، گرتے ہیں، ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ کارٹون ''ٹام اینڈ جیری'' اور ''سپر مین'' پر ۱۹۷۰ء میں بعض ملکوں نے پابندی لگادی کہ ہمارے بچے برباد ہو رہے ہیں۔ ان چیزوں کو ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے، دکھ تو اس بات پر ہوتا ہے کہ ہم میں جو دیندار ہیں اور بچوں کو دیندار بنانا چاہتے ہیں، وہ بھی ان چیزوں سے اپنی اولاد کو نہیں بچاتے۔ اپنے بچوں کو کارٹونوں کی شکل والے لباس اور نیکریں پہنا رہے ہیں!

کفّار کی مشابہت: کفّار وفساق ہمارے آئیڈیل، فلموں، ڈراموں اور کارٹونوں میں یہود ونصاریٰ، کفّار اور ہندوؤں کا کلچر، ثقافت، لباس، عادات واطوار دیکھ کر لڑکے اور لڑکیاں ہر بات میں ان کی مشابہت کرتے ہیں، جس پر شدید وعید احادیث میں وارد ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا، میڈیا نے کرکٹر، فلم اسٹارز کو اتنا اُبھارا، سائن بورڈ پر ان کی بڑی بڑی تصویریں، سڑک کنارے اور چونگیوں پر ان کے مجسمے لگائے کہ آج کا نوجوان یہی سمجھتا ہے کہ یہی لوگ کامیاب ہیں، انہی کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیک لوگوں سے اتنی محبت نہیں، جتنی ان کفّار سے ہے، اپنا حلیہ بھی ان جیسا بناتے ہیں، سنّت جیسا نہیں بناتے۔ لگتا ہے مدینے والے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا کوئی تعلق اور رشتہ ہی نہیں ہے۔

پلک جھپکنے میں نفس کی بدمعاشی: ایک اللہ والے سے کسی نے کہا کہ آپ اسمارٹ فون کیوں نہیں استعمال کرتے؟ انہوں نے فرمایا: یہ ایسا سمندر ہے جس میں مجھے تیرنا نہیں آتا، پھر اس میں بڑے بڑے مگرمچھ ہیں، جن سے بچنا ناممکن ہے، ایسا نہ ہو ڈوب جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ'' (اے اللہ! مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ فرما۔'' اس دعا کا مفہوم اس زمانے میں آسانی سے سمجھ آتا ہے کہ والدین خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بیٹا رات دیر تک کمپیوٹر پر فزکس، کیمسٹری کی اسٹڈی کرتا ہے، حالانکہ وہ تو فلمیں دیکھ رہا ہے، جیسے ہی کسی کو آتے دیکھا تو ایک بٹن دبانے سے کیمسٹری کی کتاب اسکرین پر آ گئی، ذرا اندازہ کیجیے کہ پلک جھپکنے کی دیر میں نفس نے کیسا دھوکہ دیا۔

فحش ویڈیو گیم اور فحش کارٹون: پھر آج کل تو فلمیں ہی فحش نہیں ہیں، کارٹون اور ویڈیو گیم تک گندے ہو گئے، جس میں لباس فحش ہوتا ہے، اس میں نازیبا حرکات ہوتی ہیں، جن سے بچوں کی حیا کا جنازہ نکل رہا ہے۔ والدین کہتے ہیں کہ یہ تو کارٹون ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن اس کا بھی بچے کے دماغ پر اثر پڑتا ہے، ان میں غلط خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کئی تو قبل از وقت بالغ ہو گئے، پھر جوانی میں شادی کے قابل نہیں رہے۔ یہ سب حقائق ہیں، ایسے نوجوان اس شعر کا مصداق ہوتے ہیں:

طفلی گئی علامت پیری ہوئی عیاں ہم منتظر ہی رہ گئے عہدِ شباب کے

فقہ وفتاویٰ

ادارہ

ایپ میں پیسے لگانے کا شرعی حکم

سوال......: ایک ایپ ہے جس کا نام 2139 ہے، اس میں پیسے لگائے جاتے ہیں، شروع میں ۳۰/ سے ۵۰/ ہزار تک لگاتے ہیں اور پھر دن میں دو مرتبہ سگنل آتا ہے، ایک دوپہر (ڈھائی) بجے کے قریب اور دوسرا رات (سات) بجے کے قریب، سگنل آتے ہی اس پر کلک کرنا پڑتا ہے، ۳/ سے ۴/ منٹ کے اندر اندر، کلک کرنے سے ۵/ ڈالر ملتے ہیں اور اگر کلک نہ کریں تو ۳/ ڈالر ملتے ہیں، یعنی کسی بھی صورت میں نقصان نہیں ہوتا اور آپ جب چاہیں اپنے پیسے واپس لے سکتے ہیں اور جب بھی نکالیں گے تو اس کے بقدر نفع بھی لے سکتے ہیں، پوچھنا ہے کہ اس ایپ میں پیسے لگانا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ کلک نہ کرنے پر کچھ بھی نہیں ملتا، اور ممبر سے لیے ہوئے پیسے بٹ کوائن (ڈیجیٹل کرنسی) کی خرید وفروخت پر لگائے جاتے ہیں جس میں سے کچھ نفع خود لیتے ہیں اور کچھ نفع اپنے ممبر کو کلک کرنے پر دیتے ہیں، نفع کی مقدار فیصد کے اعتبار سے معلوم نہیں ہوتی، کبھی کم ملتا ہے اور کبھی زیادہ اور جب بھی ممبر اپنے پیسے واپس لینا چاہے لے سکتا ہے اور اضافی رقم بھی ساتھ ملتی ہے۔

جواب......: واضح رہے کہ کسی بھی ایپ میں سرمایہ جمع کر کے منافع کمانا تب حلال ہوگا جب منافع لینے والے کو معلوم ہو کہ اس ایپ میں شرعی اصولوں کے مطابق جائز کاروبار کیا جاتا ہے اور حاصل شدہ منافع کا ٹھیک حساب لگا کر حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے، چوں کہ صورتِ مسئولہ میں اس رقم کے ذریعہ کیے جانے والے کاروبار کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق ہے اور اسی طرح جتنے ممبران ہیں ان کے درمیان فیصدی اعتبار سے نفع کا تعین بھی نہیں ہے، لہٰذا شرعاً اس طرح کی ایپ میں پیسے لگانا جائز نہیں ہے۔

سوشل میڈیا سے کمائے ہوئے پیسوں اور ان سے عبادات بجالانے کا حکم

سوال......: سوشل میڈیا، یوٹیوب، ٹک ٹاک و دیگر پلیٹ فارم وغیرہ سے کمائے ہوئے پیسوں کا کیا حکم ہے؟ آیا حلال ہیں یا حرام؟ اور ان پیسوں سے کارِ خیر مثلاً عبادات میں عمرہ، حج، قربانی کرنا اور صدقہ کرنا کیسا ہے اور اس فیلڈ کے لوگوں کی تقریبات اور دعوتوں میں شرکت کرنا کیسا ہے۔ واضح رہے کہ سوشل میڈیا پر وی لاگنگ کر کے پیسہ کمایا جاتا ہے، مثال کے طور اپنی ویڈیو بنا کر روزمرہ کی روٹین بنائی جاتی ہے اور اپنے گھر والوں (خواتین وغیرہ) کو بھی اس ویڈیو میں لایا جاتا ہے اور ایسی ویڈیوز کے ذریعہ پیسہ کمایا جاتا ہے۔

جواب......: موبائل کے ذریعے جائز طریقہ پہ جو کاروبار ہوتے ہیں، وہ جائز ہیں، البتہ موبائل کے ذریعہ وی لوگنگ

(Vloging) کرنا، اپنی ویڈیو بنا کر اس میں اپنی روزمرہ کی روٹین کو اس میں دکھانا اور اپنے گھر والوں (خواتین وغیرہ) کو اس ویڈیو میں لانا، جس میں ان کی بے پردگی ہوتی ہو، جائز نہیں اور وی لاگ بنانے والوں کو دیکھنے والوں کی ایک خاص تعداد تک کا ٹاسک دیا جاتا ہے یا پھر لائیک اور کمنٹ کی ایک خاص تعداد متعین ہوتی ہے کہ اس تک ویوز (دیکھنے والے) لائیک، کمنٹ یا شیئر پہنچ جائیں تو رقم کی ایک خاص مقدار اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کی جائے گی اور اس سے زیادہ ہوئے تو اسی تناسب سے دیکھا جائے گا اور رقم بھیجی جائے گی۔ ذکر کردہ اس پوری تفصیل کے پیشِ نظر وی لاگنگ کے ذریعہ پیسے کمانا درج ذیل وجوہ کی بنا پر ناجائز ہے:

۱...وہ ویڈیو جس میں جان دار کی تصویر ہوتی ہے اس کو اپ لوڈ کرنا۔

۲...حرام اور ناجائز چیزوں کی تشہیر کا ذریعہ بننا لازم آتا ہے۔

۳...شرعاً اس معاملے کی صورت اجارہ کی ہے، اس میں اجرت مجہول ہے، اس لیے اس وی لاگنگ پر جو پیسے ملیں گے، وہ متعین نہیں ہیں، بلکہ دیکھنے والوں کی تعداد، لائیک، کمنٹ یا شیئر پر معلق ہیں، لہٰذا یہ معاہدہ (اجارہ) ہی شرعاً درست نہیں۔

۴...اس اجارہ کے معاملہ میں جو کام سپرد کیا جاتا ہے وہ غیر شرعی اور تعاون علی المعصیۃ کے قبیل سے ہوتا ہے اور ایسے حرام کاموں کے عوض اُجرت لینا جائز نہیں۔ ایسی ناجائز آمدنی سے عبادات (حج وعمرہ اور قربانی) کو بجالانا جائز نہیں، نیز اگر کسی شخص کی کل آمدنی یا اکثر آمدنی حرام ہو تو اس کی دعوتوں اور دیگر تقریبات میں شرکت کرنا جائز نہیں۔

کیا فراغِ ذمہ کے لیے بعینہ سود کی رقم اکاؤنٹ سے نکال کر صدقہ کرنا ضروری ہے؟

سوال......:ایک آدمی جس کا سرکاری بینک میں اکاؤنٹ ہے جس کا سود آتا ہے یہ تو معلوم ہے کہ سود کا صدقہ کر دینا ہے، لیکن پوچھنا یہ ہے کہ اکاونٹ میں سود جمع ہو جانے کے بعد اتنی مقدار بینک سے نکالنی ضروری ہے یا اپنے پاس جو پیسہ ہے وہ بھی دے سکتے ہیں، اسی طرح پیسہ ہی دینا ضروری ہے یا اس قیمت کا کوئی سامان بھی اپنے پاس سے دے سکتے ہیں یعنی ایک ہزار سود کے جمع ہوئے تو ہم ایک ہزار روپیہ کے کپڑے کسی غریب کو دے سکتے ہیں؟ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟

جواب......:(۱) اگر کوئی شخص اپنے اکاونٹ میں موجود "سودی رقم" کا حساب کر کے اپنے پاس موجود رقم میں سے اتنی رقم سود کی رقم کی نیت سے صدقہ کر دے تب بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا، بینک (اکاؤنٹ) سے اسی مد (سود) کی رقم نکالنا فراغِ ذمہ کے لئے ضروری نہیں ہے۔

(۲) بعینہ رقم دینے کے بجائے اگر غرباء کے حسب ضرورت کوئی سامان خرید کر انہیں دے دیا جائے تب بھی کافی ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

طب وصحت

انجیر کے فوائد

ادارہ

انجیر کو جنت کا پھل بھی کہا جاتا ہے، یہ کمزور اور دبلے پتلے لوگوں کے لئے نعمت بیش بہا ہے۔ انجیر جسم کو فربہ اور سڈول بناتا ہے۔ چہرے کو سرخ وسفید رنگت عطا کرتا ہے۔ انجیر کا شمار عام اور مشہور پھلوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا خشک میوہ ہے، جس کے بے شمار فوائد اور متعدد خواص ہیں۔ اس لئے ہر عمر کے لوگوں میں اسے پسند کیا جاتا ہے۔ عرب ممالک میں خاص طور پر اسے پسند کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی بکثرت دستیاب ہے اور اسے ڈوری میں ہار کی شکل میں پروکر مارکیٹ میں لاتے ہیں۔

یہ بنیادی طور پر مشرقی وسطی اور ایشیائے کوچک کا پھل ہے۔ اگرچہ یہ برصغیر پاک وہند میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر اس علاقے میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس کا سراغ نہیں ملتا۔ اس لئے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عرب سے آنے والے مسلمان اطباء یا ایشیائے کوچک سے منگول اور مغل اسے یہاں لائے۔ انجیر انسانی جسم کیلیے انتہائی فائدہ مند پھل ہے۔ ان فوائد میں سے چند اہم ترین کا ہم یہاں ذکر کررہے ہیں۔

انجیر کے اندر پروٹین، معدنی اجزاء شکر، کیلشیم، فاسفورس پائے جاتے ہیں۔ دونوں انجیر یعنی ''خشک اور تر'' میں وٹامن اے اور سی کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔ وٹامن بی اور ڈی قلیل مقدار میں ہوتے ہیں۔ ان اجزاء کے پیش نظر انجیر ایک مفید غذائی دوا کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے عام کمزوری اور بخار میں اس کا استعمال اچھے نتائج کا حامل ہوگا۔ انجیر کو بطور میوہ بھی کھایا جاتا ہے اور بطور دوا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ قابل ہضم ہے اور فضلات کو خارج کرتا ہے۔ مواد کو باہر نکال کر شدت حرارت میں کمی کرتا ہے۔ جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے۔

انجیر کی بہترین قسم سفید ہے۔ یہ گردہ اور مثانہ سے پتھری کو تحلیل کرکے نکال دیتا ہے۔ زہر کے مضر اثرات سے بچاتا ہے۔ انجیر کو مغز بادام اور اخروٹ کے ساتھ ملا کر استعمال کریں تو یہ خطرناک زہروں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر بخار کی حالت میں مریض کا منہ بار بار خشک ہوجاتا ہوتو اس کا گودہ منہ میں رکھنے سے یہ تکلیف رفع ہوجاتی ہے۔ اس کو نہار منہ کھانا بہت فوائد کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بے شمار فوائد ہیں:

* انجیر کو دودھ میں پکا کر پھوڑوں پر باندھنے سے پھوڑے جلدی پھٹ جاتے ہیں۔ * انجیر کو پانی میں بھگو کر رکھیں، چند گھنٹے بعد پھول جانے پر دن میں دو بار کھائیں، اسکا استعمال دائمی قبض کیلئے انتہائی مفید ہے۔

جامعۃ السعادۃ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ''، مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کر سکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دار الاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ باضابطہ طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ انگلش میڈیم اسکول کے تحت درجہ پانچ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی باضابطہ طور پر ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

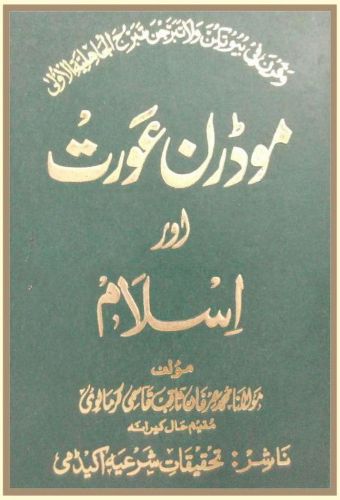

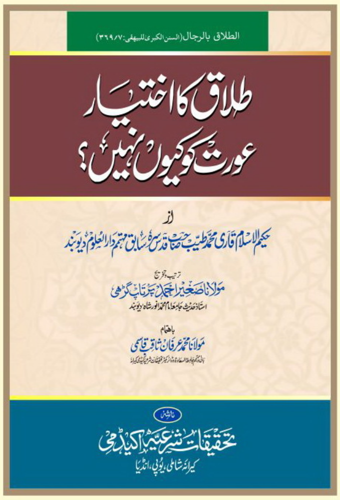

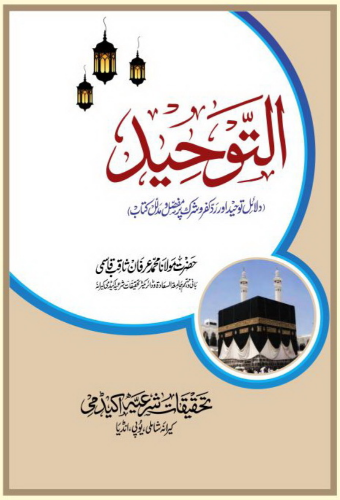

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768